مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین
ماہنامہ
الامداد
لاہور
سلسلہ تبلیغ نمبر 198
ربیع الاول / ربیع الثانی
۱۴۳۲ھ
مارچ
2011ء
مظاہر الاقوال
(پاکیزہ گفتگو)
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ 291۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
فون 35422213,35422206 فیکس 042-35433049

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

# ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) مشرف علی تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

| جلد ۱۲ | ربیع الاول / ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ / مارچ ۲۰۱۱ء | شمارہ ۳ |
| --- | --- | --- |

# مطاہر الاقوال

## (پاکیزہ گفتگو)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۱۰ روپے ○ زر سالانہ =/۱۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

۵۴۲۲۲۱۳
۵۴۳۳۰۴۹

پتہ دفتر: جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

# مطاہر الاقوال

## (پاکیزہ گفتگو)

وعظ

# مطاہر الاقوال

## (پاکیزہ گفتگو)

جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور یوپی ہند کے سالانہ جلسہ کے موقع پر حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا وعظ ہوا کرتا تھا اسی سلسلہ میں یہ وعظ جامع مسجد سہارنپور میں بروز بدھ یک شنبہ ۱۰ / جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ کو مسجد کے منبر پر تشریف فرما ہو کر ڈھائی گھنٹے تک بیان فرمایا۔

زبان کی حفاظت اور گناہوں سے بچنے کے طریقے بتلائے گئے۔ ہر طبقہ کے لئے انتہائی مفید ہے۔

سامعین کی تعداد چار ہزار سے زائد تھی، محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلمبند فرمایا اور آٹھ سال بعد اس وعظ کی تسوید تفصیلی یکم جمادی الاول ۱۳۴۴ھ میں فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

خلیل احمد تھانوی

یکم محرم/۱۴۳۲ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿اِذۡ تَلَقَّوۡنَہٗ بِاَلۡسِنَتِکُمۡ وَتَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاہِکُمۡ مَّا لَیۡسَ لَکُمۡ بِہٖ عِلۡمٌ وَّتَحۡسَبُوۡنَہٗ ہَیِّنًا ٭ۖ وَّہُوَ عِنۡدَ اللّٰہِ عَظِیۡمٌ ﴿۱۵﴾﴾(۱)

”جبکہ تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو مطلق خبر نہیں اور تم اُس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی“

## آیت کا شانِ نزول

یہ آیت جس کی میں نے تلاوت کی ہے گو اس کا نزول ایک واقعہ خاص میں ہوا ہے مگر حق تعالیٰ نے جس عنوان سے اس کو ارشاد فرمایا ہے وہ عموم اور کلیّت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک افتراء و بہتان باندھا تھا جس کا لوگوں میں چرچا ہوا تو چند مسلمان بھی اُس تذکرہ میں ملوث ہوگئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے سخت

(۱) سورۂ نور: ۱۵۔

تکلیف پہنچی اور آپ وحی کے منتظر رہے مہینہ بھر کے بعد وحی نازل ہوئی اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی براءت نہایت شدومد کے ساتھ ظاہر کی گئی (۱) اور جن مسلمانوں نے اس بہتان کا تذکرہ اپنی زبان سے کیا تھا ان کو بہت دھمکایا گیا ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مسلمانوں پر حد قذف جاری فرمائی (۲) انہی آیات میں سے ایک آیت یہ ہے جس کی میں نے تلاوت کی ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں جبکہ تم اپنی زبانوں سے اس افتراء کا تذکرہ کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکالتے تھے جس کی تم کو تحقیق نہ تھی اور تم اس کو معمولی اور سرسری بات سمجھتے تھے حالانکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑا جرم ہے (یعنی زبان سے بے تحقیق کے بات نکالنا) پس ﴿تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ الخ

یہ ایک عملِ کلی ہے جو موردِ نزول کے علاوہ بھی بہت سے موارد کو عام ہے (۳)، اس وقت میں عمل کلی ہی پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جس کے متعلق ایک قانون کلی ہے واقعۂ جزئیہ کا بیان اس وقت مقصود نہیں (۴)۔

## زبان کی احتیاط کی ضرورت

حاصل اُس قانونِ کلی کا یہ ہے کہ زبان سے بدون تحقیق کے کوئی بات منہ سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا جرم ہے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ زبان کی احتیاط نہایت ضروری ہے بدون تحقیق کے زبان سے ہرگز بات نہیں نکالنی چاہیئے۔

## انتخابِ مضامین

اس وقت اس مضمون کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس سے قبل اسی

---

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس بہتان سے بری ہونا بڑی شدت سے بیان کیا گیا (۲) اگر کوئی جھوٹی تہمت لگائے تو اس کی سزا اسی کوڑے ہیں اس کو قذف کہتے ہیں (۳) یہ ایک ایسا عمل ہے جس کا اطلاق اس واقعہ خاص کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی ہوسکتا ہے (۴) اس عمل کلی کے بارے میں جو ضابطہ کلیہ ہے اس کو بیان کرنا مقصود ہے خاص اس واقعہ کو ذکر کرنا مقصود نہیں۔

جلسہ کے اندر چند سال میں کچھ مضامین بیان کئے گئے ہیں چند بیان تو ایسے ہوئے کہ ان میں اغراض جلسہ سے مناسبت بھی تھی کسی میں علم کی ضرورت کا بیان تھا کسی میں حقوق علم کا ذکر تھا بعض میں اعانت علم واہل علم کا مضمون تھا۔ پھر ایک دفعہ خیال آیا کہ عمل کے متعلق بھی بیان ہونا چاہیئے کیونکہ علم سے مقصود عمل ہی ہے۔ چنانچہ ایک سال عمل کے متعلق بیان ہوا اس کا نام ''مظاہر الاعمال'' رکھا گیا۔ پھر خیال ہوا کہ اعمال وعلوم کی ضرورت تو کم وبیش اکثر لوگوں کو معلوم ہے مگر ایک اور چیز ہے جو ان کی روح ہے کہ اس کے بغیر علم وعمل کالعدم ہے جس کا نام حال ہے اس کا بیان بھی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ایک سال اس کا بیان ہوا اور اس کا نام ''مظاہر الاحوال'' رکھا گیا پھر گذشتہ سال اعمال واحوال کے ثمرات پر گفتگو ہوئی اور اس کا نام ''مظاہر الآمال'' رکھا گیا۔ اور قافیہ اتفاقی ہے یہ نہیں کہ قافیہ کی ضرورت سے یہ بیانات ہوئے۔

## حکایت

جیسے ایک بادشاہ یا وزیر نے ایک قاضی کو لکھا تھا (اَیُّھَا الْقَاضِیُ بِقُمْ قَدْ عَزَلْنَاکَ فَقُمْ) ''اے قُم کے قاضی ہم نے تجھ کو معزول کر دیا تو اٹھ جا'' اُس شہر کا نام بھی قُم تھا جہاں کے وہ قاضی مقرر تھے اور ''قُمْ'' صیغہ امر بھی ہے قیام سے دونوں کا قافیہ مل گیا جب یہ خط قاضی صاحب کے پاس پہنچا تو وہ بڑے روشن دماغ تھے کہنے لگے (وَاللّٰہِ مَا عَزَلْتَنِیْ اِلَّا ھٰذِہِ السَّجَّہ) ''خدا کی قسم مجھے تو اس قافیہ نے معزول کیا ہے'' یہ قافیہ ذہن میں آگیا مجھ غریب پر جاری کر دیا۔ نہ معلوم بادشاہ نے مذاق میں ایسا لکھا تھا کہ اچھا ہے ذرا دو چار دن تو قاضی پریشان ہو یا عزم سے لکھا تھا، واللہ اعلم پھر بعد میں رحم آیا یا نہیں۔ تو جیسے ان قاضی صاحب نے کہا تھا کہ مجھے تو اس قافیہ نے معزول کیا ہے اس طرح یہاں نہیں ہوا کہ قافیہ کی رعایت سے یہ بیانات ہوئے ہوں۔

## کلام میں قافیہ کی پابندی ضروری نہیں

چنانچہ خود اُن بیانات کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ انکے مضامین ضروری تھے یا غیر ضروری اور بیان میں آمد تھی یا آورد تھا(۱)۔ محض قافیہ کی وجہ سے مضمون بیان کرنا فضول ہے اور اس صورت میں مضامین بھی فضول ہی آتے ہیں حق تعالیٰ شانہ نے باوجود قدرت بالغہ (۲) کے قرآن میں قافیہ کا التزام نہیں کیا۔ کہیں قافیہ ہے تو دور تک چلا گیا ہے اور کہیں چھوڑ دیا ہے تو دور تک قافیہ نہیں ہے تو کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ نے قافیوں کو اس لئے چھوڑ دیا ہو کہ بندوں کو تعلیم کرنا مقصود ہو کہ کلام میں قافیہ کی پابندی نہ کیا کرو۔

## تدریج و تدبیر کی تعلیم

جیسے علماء نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو باوجود قدرت کاملہ کے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا ہے اس سے بندوں کو تدریج و تدبیر کی تعلیم فرمائی ہے کہ دیکھو باوجودیکہ ہم ایک کلمۂ کُن سے دفعۃً سب کچھ پیدا کر سکتے تھے مگر پھر بھی ہم نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا ہے تو تم کو قدرتِ ناقصہ کے ساتھ ضرور تدریج و تدبیر سے کام کرنا چاہئے (۳)۔ یہ ایک نظیر موجود ہے جس میں علماء نے حق تعالیٰ کے فعل کو تعلیم عملی پر محمول کیا ہے۔

## ترکِ قافیہ کی تعلیم

تو کیا عجب ہے کہ قرآن میں قافیوں کا چھوڑنا بھی عملی تعلیم ہو کیونکہ حق تعالیٰ کو خود اس کی ضرورت نہ تھی اگر وہ تمام قرآن کو مقفّا نازل کرتے تو اس کی

---

(۱) مضامین دورانِ بیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہن میں ڈالے گئے تھے گھیر گھار کر خود سے بیان نہیں کئے گئے تھے (۲) قدرت ہونے کے باوجود (۳) درجہ بدرجہ۔

بلاغت وفصاحت میں ہرگز کمی نہ آتی اور کسی جگہ بھی تکلف کا نام نہ آتا جس کی دلیل وہ سورتیں ہیں جن میں اول سے آخر تک قافیہ کی رعایت ہے کہ ان میں کسی جگہ بھی کوئی قافیہ تکلف سے نہیں لایا گیا نہ کسی کو ان کی بلاغت وفصاحت پر حرف گیری کی مجال ہے، تو ظاہر یہ ہے کہ باوجود اس قدرت کے جو قافیہ کی رعایت نہیں کی گئی اس سے بندوں کو تعلیم دینا مقصود ہے کہ تم بھی قافیہ کی رعایت نہ کیا کرو کیونکہ تم کو اس میں تکلف ہوگا اور بعض دفعہ بے ضرورت باتیں محض قافیہ کی رعایت سے لانا پڑیں گی اسی واسطے علماءِ ادب نے ''مقاماتِ حریری'' کی عبارت کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس میں قافیہ کی بے حد رعایت ہے جس سے بعض جگہ کلام بلاغت سے گر گیا اور حشو وزوائد کی وجہ سے معیوب ہو گیا ہے [۱]۔

زمانہ طالب علمی میں ہم لوگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عربی عبارتیں مقفّٰی مسجّع لکھ کر پیش کرتے تھے مولانا نے فرمایا کہ تم لوگ معانی کو الفاظ کے تابع کرتے ہو الفاظ کو معانی کے تابع نہیں کرتے اس کے بعد قافیہ کی رعایت سے منع فرمایا پھر قافیہ کی رعایت چھوڑنے کے بعد عبارت کا رنگ بالکل بدل گیا اب خود معلوم ہوتا تھا کہ پہلی مقفّٰی عبارتیں اُس کے سامنے بالکل ردی تھیں۔

## قافیہ کی عدمِ ضرورت پر استدلال

قافیہ پر ایک حکایت یاد آئی، ایک شیخ صاحب نے کسی جاٹ [۲] سے کہا کہ ''جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ'' [۳] اُس نے جواب دیا کہ ''شیخ رے شیخ تیرے سر پر کولہو'' [۴] شیخ نے کہا واہ قافیہ تو ملا ہی نہیں، تو وہ جاٹ کہتا ہے کہ بلا سے بوجھ میں تو مرے گا۔

---

(۱) فضول اور زائد کلام ہونے کی وجہ سے کلام عیب دار ہو گیا (۲) ہندوستان میں ایک ذات تھی جاٹ (۳) چارپائی (۴) جس میں تیل نکالا جاتا ہے۔

دیکھیئے اس جاٹ نے بھی قافیہ کے ضروری نہ ہونے کو سمجھ لیا۔ جو مضامین صحیح ہوتے ہیں وہ عام لوگوں کے دماغوں میں بھی آجاتے ہیں تو اس جاٹ نے جزالتِ مضمون کی رعایت کو قافیہ کی رعایت پر مقدم کیا اور واقعی ایسا ہی ہونا چاہیئے کیونکہ مقصود تو مضمون ہی ہے الفاظ تو آلہ محضہ ہیں تو یہ غلطی ہے کہ مقصود کو آلہ کا تابع کیا جائے۔ اہلِ تحقیق کا مذاق تو یہ ہے کہ نثر تو نثر وہ نظم میں بھی قافیہ کے شدید اہتمام کو پسند نہیں کرتے جس کی ضرورت پر سب کا اتفاق ہے۔ چنانچہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں بعض جگہ قافیہ میں قدرے تسامح فرماتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں۔

قافیہ اندیشم ودلدارِ من　　گویدم مندیش جز دیدارِ من

کہ ’’جب میں قافیہ سوچتا ہوں تو محبوب یوں فرماتے ہیں کہ ہمارے دیدار کے سوا کسی چیز کو مت سوچو‘‘۔ اس سے معلوم ہوا کہ مثنوی میں جس قدر قافیے ہیں وہ سب بے تکلف خود ہی آگئے ہیں۔ سوچ کر نہیں لائے گئے مگر اس پر بھی مثنوی کی بلاغت کا یہ حال ہے کہ مومن خاں دہلوی کا مقولہ حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں کہ ’’میں نے مومن خاں سے پوچھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولانا کا کلام حجت نہیں، مومن خاں نے کہا کسی جاہل کا قول ہوگا مولانا کا اُستادانہ کلام ہے‘‘

غرض محققین تو وہاں بھی قافیہ کی رعایت نہیں کرتے جہاں اس کے استحسان بلکہ وجوب پر اہلِ کلام کا اتفاق ہے۔

## عربی دانی

اس پر مجھے ایک ظریف کی حکایت یاد آئی وہ کہتے تھے کہ میں ایک مولوی صاحب کے ملنے کے لئے گیا جو ایک لیڈر بھی تھے اور اپنے آپ کو زبان دانی میں بہت کامل سمجھتے تھے آج کل بعض لوگوں کو اس کا خبط ہوگیا ہے کہ وہ عربی میں تقریر کر لینے کو بڑا کمال اور فخر سمجھتے ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ تم ابوالعلم ہوکر بھی

ایسی عربی نہیں بول سکتے جیسی ابوجہل بولا کرتا تھا اگر عربی میں گفتگو کر لینا ہی علم ہے اور یہ کوئی بڑا علمی کمال ہے تو ابوجہل تم سب سے بڑا عالم ہونا چاہیئے حالانکہ وہ ''ابوجہل'' ہی رہا ''ابوالعلم'' تو کیا ہوتا ''ابن العلم'' بھی نہ ہوا(۱)۔

## علماء پر اعتراض کا دندانِ شکن جواب

غرض ان لیڈر صاحب کو اپنی عربی دانی اور فارسی دانی اور شاعری پر بڑا ناز تھا وہ ظریف کہتے تھے کہ میں نے ان کے سامنے ''دیوانِ قاآنی''(۲) پیش کیا وہ حضرت متکبر بہت تھے انہوں نے نہایت بے پرواہی کے ساتھ پوچھا یہ کیا ہے کیا یہ آپ کا کلام ہے؟ انہوں نے اس بے پرواہی سے جھلا کر کہا ہاں صاحب یہ میرا ہی کلام ہے۔ کہا کیا آپ شاعر ہیں؟ کہا جی ہاں، وہ بولے کیا آپ کچھ فی البدیہہ کہہ سکتے ہیں؟ کہا ہاں وہ بولے کچھ فرمائیے۔ کہا سنئے۔

گر مصوّر تری تصویر کھینچے
تو اس کو اس کام کے لئے سوا دو مہینہ چہئیں (چاہئیں)

اب وہ لیڈر صاحب ان کا منہ تکنے لگے اور کہنے لگے صاحب یہ کیسا شعر ہے؟ جس میں وزن و قافیہ بھی نہیں، انہوں نے کہا جناب یہ ایک پرانی رسم تھی کہ شعر میں بحر و قافیہ کی پابندی کی جائے اور میں نے آپ کے ایک لیکچر میں سنا تھا کہ ہمارے علماء لکیر کے فقیر ہیں پرانی رسموں کے پابند ہیں علماء کو آزاد اور وسیع الخیال ہونا چاہیئے اور پرانی رسموں اور قیود کو چھوڑ دینا چاہیئے تو میں نے بھی شعر میں آزادی کا رنگ اختیار کر لیا ہے اور پرانی رسموں کی پابندی چھوڑ دی۔ اس پر وہ لیڈر صاحب بہت چپ ہوئے اور تو کچھ جواب بن نہ پڑا بس یہ جواب دیا بس جائیے جائیے

(۱) وہ جہل کا باپ ہی رہا علم کا باپ تو کیا ہوتا علم کا بیٹا بھی نہ ہوا (۲) فارسی کا ایک عظیم شاعر تھا۔

کوئی ان سے پوچھے کہ آپ کے نزدیک رسومِ شعر کی پابندی تو ضروری ہے اور رسوم دین کی پابندی ضروری نہیں ہے، خوب ہی جواب دیا جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر رسوم قدیمہ کی پابندی مطلقاً مذموم ہے اور آزادی مطلقاً محمود ہے (۱) تو رسومِ شعر کی پابندی بھی مذموم ہونی چاہیئے (۲) پھر اس کو ترک کردے اس پر کیا اعتراض ہے۔

## رسوم کی اقسام

اور اگر مطلقاً مذموم نہیں اور نہ آزادی مطلقاً محمود ہے تو آپ کا علماء پر اطلاق کے ساتھ اعتراض کرنا غلط تھا آپ کو تفصیل کرنا چاہیئے تھی کہ رسوم دو قسم کی ہیں قبیحہ اور حسنہ، اور آزادی محمود یہ ہے کے رسوم قبیحہ سے آزاد ہوں اور رسوم حسنہ کے پابند ہوں اور یہ بتلانا چاہیئے تھا کہ علماء رسوم قبیحہ کے پابند ہیں پھر ان کی قباحت ثابت کرنی چاہیئے تھی یہ کیا کہ محض لکیر کے فقیر ہونے سے ان پر اعتراض کردیا گیا چاہے وہ لکیر خط مستقیم ہی کی ہو جس کا لازم پکڑنا عقلاً وشرعاً ضروری ہے: ﴿ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (۳)

ان صاحب نے تو محض ظرافت سے قافیہ ترک کیا تھا مگر محققین نے حقیقت کے اعتبار سے اس کو پس انداز کردیا ہے اس لئے یہ خیال نہ کیا جائے کہ میں نے محض ناموں کے قافیہ کی رعایت سے یہ بیانات کئے ہیں ان کے مضامین دیکھنے سے اس خیال کی غلطی ظاہر ہوجائیگی۔

---

(۱) قدیم رسموں کی پابندی اگر بالکلیہ بُری ہے اور آزادی اچھی ہے تو (۲) شعر گوئی میں قافیہ ردیف کی پابندی بھی بُری ہونی چاہیئے (۳) ''اور یہ کہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردینگی اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم احتیاط رکھو'' سورۂ انعام: ۱۵۳۔

## وجہ انتخاب مضمون

بہر حال چند سال تک جو بیانات ہوئے ہیں وہ ایک خاص سلسلہ کے ساتھ ہوئے ہیں تو آج یہ خیال ہوا کہ اسی سلسلہ میں جو مضمون ضروری رہ گیا ہو اس کو بیان کر دیا جائے، پہلے سے تو کوئی خاص مضمون ذہن میں نہ تھا لیکن عین وقت پر یہ مضمون حفاظتِ لسان کا ذہن میں آیا کیونکہ اعمال و احوال سے جو نور قلب میں پیدا ہوتا ہے وہ اس زبان کی بے احتیاطی سے اکثر زائل ہو جاتا ہے اسی لئے بہت لوگ اس کے شاکی نظر آتے ہیں (۱) کہ ہم اعمال و اذکار بہت کچھ کرتے ہیں مگر قلب میں کیفیت اور نور پیدا نہیں ہوتا یا حال پیدا ہوتا ہے تو باقی نہیں رہتا اور اس شکایت کا منشاء یہ ہے کہ وہ اسباب کو تو جمع کرتے ہیں مگر موانع کو رفع نہیں کرتے (۲) چنانچہ منجملہ یہ موانع کثیر ہیں جن میں سے کثیر الوقوع زبان کو بے جا صرف کرنا ہے اس لئے یہ مضمون اختیار کیا گیا اور چونکہ آج کل میری طبیعت خراب ہے چند روز سے بخار آرہا ہے اس لئے مختصر بیان کروں گا اور اسی وجہ سے آج بیٹھ کر بیان کرتا ہوں اگر درمیان میں طبیعت میں نشاط قوت (۳) معلوم ہوئی تو کھڑا ہو جاؤں گا ورنہ استصحاب حال سے سمجھ لیا جائے کہ طبیعت میں اضمحلال ہی ہے (۴) گو یہ صورت بھی ممکن تھی کہ ابتدا کھڑے ہو کر کرتا اور درمیان میں اضمحلال زیادہ ہوتا تو بیٹھ جاتا مگر ہمت کے بعد کم ہمتی کو دل قبول نہیں کرتا اور کم ہمتی کے بعد ہمت دلپذیر ہے۔

## مضامین میں ارتباط

اور جب یہ معلوم ہو چکا کہ قافیہ کی ضرورت نہیں تو اسی اصل پر ربط وغیرہ کی

(۱) شکایت کرتے نظر آتے ہیں (۲) رکاوٹوں کو دور نہیں کرتے (۳) فرحت و طاقت (۴) ورنہ میری اس حالت کو دیکھ کر ہی سمجھ لیا جائے کہ میری طبیعت میں کمزوری ہے۔

بھی ضرورت نہیں اس لئے اگر مضامین میں اختصار کے ساتھ انتشار (۱) بھی ہو تو عجب نہیں اور احکام دینیہ کے بیان میں انتشار کچھ مضر بھی نہیں (۲) کیونکہ یہ تو امرض روحانیہ کے نسخہ کے اجزاء ہیں جو سامعین کے کانوں میں ڈال کر دل تک پہنچایا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ کانوں کی مثال قیف کی مانند ہے کہ مضامین ان کے ذریعہ سے قلب میں پہنچتے ہیں اور ظاہر ہے کہ قیف میں نسخہ کی دوائیں جس طرح چاہے ڈال دو اختیار ہے اس میں کسی ترتیب کی ضرورت نہیں جس کو چاہے پہلے ڈال دو جس کو چاہو پیچھے ڈال دو وہاں پہنچ کر سب مل جائیں گی اور اپنا اثر ظاہر کرینگی۔ اگر کوئی حکیم یہ کہے کہ میں نے تو نسخہ ترتیب سے لکھا تھا تم نے ڈالنے میں ترتیب کی رعایت کیوں نہیں کی، تو معلوم ہوگا کہ وہ طبیب نہیں بلکہ شاعر ہے جو شاعروں کی طرح نسخہ لکھتا ہے۔ طبیب کا یہ کام نہیں کہ وہ نسخہ لکھنے میں ترتیب کی رعایت کرے نسخہ میں گل بنفشہ پہلے لکھ دیا تو کیا، گاؤ زبان پہلے لکھ دی تو کیا اِسی طرح جوش دینے میں اُس کو پہلے ڈالوایا اس کو بعد میں سب برابر ہے۔ چنانچہ اسی لئے قرآن شریف کے نزول میں ارتباط (۳) کی رعایت نہیں کی گئی کہ پہلے جو آیت نازل ہوئی ہے دوسری کو اس سے ربط ہونا چاہیئے بلکہ حسب ضرورت جو حکم مناسب ہوا نازل کر دیا گیا چاہے پہلے سے ارتباط ہو یا نہ ہو کیونکہ قرآن کا نزول علاج کے واسطے ہوا ہے اور میں بتلا چکا ہوں کہ علاج کے وقت نسخہ کے اجزاء میں ترتیب لازم نہیں بس اسکی ضرورت ہے کہ جملہ اجزاء مرض کے مناسب ہوں اور مریض کے مزاج کے موافق ہوں۔ اگر میرے بیان کی تصدیق نہ ہو تو کسی معالج سے پوچھ لیجئے کہ کیا اجزاء نسخہ میں ترتیب

---

(۱) مگر ایسا ہوا نہیں بحمد اللہ سارا بیان مسلسل و مرتبط ہے کیونکہ حضرت والا انتشار کے ساتھ بیان کر ہی نہیں سکتے مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے طبیعت میں چونکہ انتظام و اعتدال بدرجہ کمال ہے اس لئے مضمون بھی منتظم و مرتبط ہی بیان ہوتا ہے ۱۲ ظ (۲) یعنی متفرق غیر مربوط مضامین بیان کئے جائیں تو بھی تعجب نہ ہونا چاہیئے کہ دین میں متفرق مضامین بیان کرنا کچھ مضر نہیں (۳) آیات میں باہم ربط ہونے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

کی رعایت ضروری ہے؟ ان شاء اللہ ہر طبیب یہی کہے گا کہ ضرورت نہیں۔

## مواقع ارتباط

ہاں جب سب نسخوں کو یکجا کرنا مدِّ نظر ہو تو اس وقت ترتیب کی رعایت کی جاتی ہے کہ اول مقدمہ ہوتا ہے پھر اصول کا بیان کیا جاتا ہے پھر فروع کو اور فروع میں اعضاءِ رئیسہ کے علاج کو مقدم کرتے ہیں اُن کے بعد دوسرے اعضاء کا علاج لکھتے ہیں اور اس کی ضرورت بھی اس شخص کو ہے جو مصنفوں کی طرح تصنیف کرے اور اگر تصنیف کا قصد نہ ہو بلکہ محض نسخوں کو جمع ہی کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے بھی ترتیب کی ضرورت نہیں چنانچہ اطباء کی خاص بیاضات میں ترتیب ضروری نہیں۔

## آیات میں ربط

چنانچہ نزول میں تو کوئی ترتیب نہ تھی مگر نزول کے بعد چونکہ جمع ہو جاتا تھا اس وقت جبرئیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھ دیجئے، تو ترتیب جمع میں ارتباط کا لحاظ کیا گیا ہے جس کی وجوہ کو بعد میں علماء نے بیان کیا ہے اور یہ علم اچھا ہے گو زیادہ ضروری نہیں کیونکہ اگر بالفرض ترتیب نہ بھی ہو تو کچھ حرج نہیں کیونکہ میں بتلا چکا کہ قرآن مطب روحانی ہے اور مطب میں ترتیب نسخات کی ضرورت نہیں۔

قرآن کا طرز طرزِ مصنفین نہیں ہے بلکہ معالجین کا سا طرز ہے اور یہیں سے اُن لوگوں کی غلطی ظاہر ہو گئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبوں کے اجزاء میں ارتباط ڈھونڈتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف ایک ہی حیثیت نہیں تھی بلکہ آپ خطیب ہونے کے ساتھ معالج بھی تھے اور ارتباطِ مضامین کا لحاظ وہ کرتا ہے جو محض

خطیب ہو اور جو خطیب ہونے کے ساتھ طبیب بھی ہو وہ ارتباط ظاہر سے زیادہ مخاطبین کی حالت کا لحاظ کرے گا کہ اس وقت ان کو کن کن باتوں کی ضرورت ہے، خوب سمجھ لو مگر یہ قاعدہ عام نہیں ہے کہ آپ ہر جگہ اس کو جاری کرنے لگیں کہ ترتیب کی کیا ضرورت ہے۔

## بعض مواقع میں ربط وترتیب کی ضرورت واہمیت

بعض امور میں ترتیب کی ضرورت بھی ہوتی ہے مثلاً علاج ہی میں دیکھ لیجئے کہ نسخہ نویسی اور دوا کی تیاری میں تو دواؤں کی ترتیب ضروری نہیں مگر استعمال میں ترتیب ضروری ہے کہ پہلے خاکی پھانک لو اُس پر جوشاندہ پیو یا دوا پہلے کھاؤ غذا اس کے دو گھنٹہ بعد کھاؤ اگر کوئی غذا پہلے کھائیگا تو دوا سے نفع نہ ہوگا۔

اسی طرح اعمال شرعیہ میں ترتیب ہے کہ پہلے ایمان لاؤ پھر نماز پڑھو پھر نماز میں ترتیب ہے کہ اول صبح کی نماز پڑھو پھر ظہر کی اگر کوئی اعمال میں بے ترتیبی کرنے لگے تو اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے ایک ظریف نے رس کی کھیر کھانا چاہی تھی پوچھا کھیر کس طرح بنتی ہے؟ لوگوں نے کہا چاول اور رس ملا کر آگ پر رکھتے ہیں جب چاول پک جاتے ہیں کھیر تیار ہو جاتی ہے۔ کہنے لگا یہ تو بڑا جھگڑا ہے بس تو آپ نے کیا کیا کہ چاول کچے کھا کر اوپر سے رس پی لیا اور آگ کی طرف سرین کر کے جا کھڑا ہوا اور کہا رس چاول تو پیٹ میں جا کر مل گئے اور آگ کے سامنے ہونے سے وہ پک بھی جائیں گے، تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اُس شخص نے کھیر کھائی اور اس کو کھیر کا مزا آگیا ہرگز نہیں، بلکہ اس کو تو ہیضہ کا مزا آیا ہوگا بہرحال یہ قاعدہ عام نہیں جس کو اعمال میں بھی آپ جاری کرنے لگیں بلکہ عدم ضرورت ارتباط صرف نصائح (۱) ہی کے ساتھ

(۱) نصیحت کرنے میں کلام میں ربط کی ضرورت نہیں۔

خاص ہے جن سے مقصود علاج ہے اِس لئے اگر اختصار کے ساتھ انتشار بھی ہو تو مجھے معاف کیا جائے۔

یہ تو تمہید سے معلوم ہو چکا ہے کہ میں اس وقت حفاظتِ لسان کا بیان کروں گا اور مضمون کی مناسبت سے اس بیان کا نام ''مطاہر الاقوال'' تجویز کرتا ہوں کیونکہ اس میں اقوال ہی کی پاکیزگی کے طریقے بیان کئے جائیں گے اس میں مطاہر تو مظاہر کا قافیہ ہے اور اقوال دوسرے اجزاء کا قافیہ ہے۔

## غفلت کی وجہ سے غیر اہم بات کے بیان کی ضرورت

یہ مضمون اگرچہ پہلے مضامین کے اعتبار سے مہتم بالشان نہیں ہے مگر میں نے اس کو اسی لئے اختیار کیا ہے کہ عام لوگوں کی نظروں میں یہ مہتم بالشان نہیں ہے بظاہر اس میں اشکال ہوگا کہ عدم اہتمام بالشان علت اختیار کیونکر ہوگیا (۱) یہ تو علت ترک ہونی چاہیئے مگر نہیں کبھی یہ علت اختیار بھی ہو جاتی ہے کیونکہ بعض دفعہ غیر مہتم بالشان میں عدم اہتمام کی وجہ سے زیادہ کوتاہی ہو جاتی ہے جیسے آپ نے کسی لڑکے کو ننگا پھرتے ہوئے دیکھا اس وقت اس سے کہا جاتا ہے کہ کُرتا پاجامہ پہنو ٹوپی کو اس لئے نہ کہا تھا کہ وہ کُرتا پاجامہ کے برابر مہتم بالشان نہیں (۲) مگر پھر دیکھا کہ وہ ہمیشہ ننگے ہی سر رہتا ہے ضرورت کے وقت بھی ٹوپی نہیں پہنتا تو اب اس سے کہا گیا یہ کیا بے تمیزی ہے جاؤ ٹوپی پہن کر آؤ۔

تو بات یہ ہے کہ غیر مہتم بالشان بھی کسی وقت مہتم بالشان ہو جاتا ہے جبکہ اس میں کوتاہی زیادہ ہونے لگے اور ابتداء میں اس پر اس لئے زور نہیں دیا جاتا کہ مخاطب کی عقل پر اعتماد ہوتا ہے کہ یہ ضرورت وعدم ضرورت کا خود لحاظ کرے گا (۳) مگر جب مخاطب کو عقل ہی نہ ہو تو پھر اعتماد نہیں کیا جاتا اور تصریح کے ساتھ ہر ہر بات کا حکم کیا جاتا ہے۔

---

(۱) مضمون کا مہتم بالشان نہ ہونا کیسے بیان کرنے کی علت ہو گیا (۲) قابل اہتمام نہیں (۳) ضروری اور غیر ضروری کی خود رعایت کریگا۔

## حکایت

جیسے ایک شخص کا ملازم تھا بے وقوف وہ روز ایسی حرکتیں کیا کرتا جس سے آقا کو تکلیف ہوتی کبھی ایک کام کیا تو دوسرا کام چھوڑ دیا دوسرا کیا تو تیسرا چھوڑ دیا اس پر ہر روز خفگی ہوا کرتی، تو ایک دن اس ملازم نے کہا حضور مجھے ایک فہرست لکھ کر دے دیجئے کہ مجھے اتنے کام کرنا ہونگے میں اس کو دیکھ کر سب کام کرلیا کروں گا۔ آقا نے فہرست لکھ دی ایک روز آقا گھوڑے پر سوار ہوکر چلا اور ملازم پیچھے پیچھے چلا۔ جب منزل کے قریب پہنچے تو آقا کی چادر غائب اس نے ملازم سے پوچھا کہ چادر کہاں گئی؟ آپ فرماتے ہیں حضور وہ تو راستہ میں گرگئی تھی، اس نے کہا پھر تو نے اُٹھا کیوں نہ لی، اُس نے فہرست سامنے رکھ دی کہ ان میں اس کے متعلق کوئی ہدایت نہیں، بھلا یہ بات بھی ہدایت کے قابل تھی مگر جب مخاطب احمق ہو تو اس پر بھی تنبیہ کرنا پڑتی ہے چنانچہ آقا نے فہرست میں لکھ دیا کہ جب ہم سوار ہوں راستہ میں جو چیز گرے اس کو اُٹھالیا جائے، اگلے دن چلے تو ملازم نے منزل پر پہنچ کر ایک کاملہ (۱) آقا کے سامنے لاکر رکھ دیا کہا یہ کیا ہے؟ کہا حضور کے حکم کی تعمیل ہے آپ نے فرمایا تھا کہ جو چیز راستہ میں گرے اسے اٹھالیا جائے تو چلتے ہوئے یہ لید بھی گر رہی تھی میں نے اٹھالی، واقعی تھا منطقی کیونکہ جو چیز کا لفظ عام ہے ہر چیز کو اس نے استثناء نہیں کیا تھا الا اللید۔

غرض بعض دفعہ غیر مہتم بالشان مخاطب کے بُعد فہم ہونے (۲) کی وجہ سے مہتم بالشان ہوجاتا ہے اور تنبیہ کا محتاج ہوتا ہے۔

---

(۱) ایک تسطہ لاکر سامنے رکھدیا جس میں گھوڑے کا پاخانہ تھا جو وہ چلتے ہوئے کررہا تھا اور راستہ میں گر رہا تھا چونکہ آقا نے ہر گری ہوئی چیز اٹھانے کا حکم دیا تھا اس لئے اس نے یہ بھی اٹھالیا اور پیش کردیا کیونکہ اس میں پاخانہ کا استثناء نہیں کیا گیا تھا (۲) مخاطب کی کم عقلی کی وجہ سے بیان کے قابل ہوجاتا ہے۔

# حفاظتِ زبان کی ضرورت واہمیت

یہ تو جب ہے کہ حفاظتِ لسان فی نفسہ مہتم بالشان نہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگوں نے اس کو غیر مہتم بالشان سمجھ رکھا ہے اور واقع میں مہتم بالشان ہے قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظت زبان کی بہت ضرورت ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس کو نہیں سمجھتے ہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝١٥﴾ ''اور تم اسکو معمولی اور سرسری بات سمجھتے تھے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا جرم ہے'' اور اس کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبان چلانے میں کچھ خرچ نہیں ہوتا نہ اہتمام کرنا پڑتا ہے اور جتنے کام ہیں سب میں کچھ نہ کچھ اہتمام کرنا پڑتا ہے مثلاً چلنا پھرنا کھانا پینا سب میں کچھ نہ کچھ اہتمام ہوتا ہے وہاں سے یہاں آئے تو اُٹھنا پڑا ارادہ کرنا پڑا کسی غرض کو سوچا گیا کہ وہاں جا کر کیا کام کرنا ہے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ مہتم بالشان ہے چلنے کے وقت یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ سامنے سے کوئی چیز نہ آئے کہیں نیچے اوپر پیر نہ پڑ جائے کھانے میں خیال رکھتے ہیں کہ مکھی یا بال نہ آجائے لقمہ ایسا بڑا نہ ہو جو گلے میں اٹک جائے، پینے میں خیال ہوتا ہے کہ پانی کے اندر کچھ پڑا نہ ہو اگر گدلا پانی ہوا تو کپڑے میں چھان کر پیتے ہیں نیز پیتے وقت ہنستے بولتے نہیں تاکہ پھندا نہ لگ جائے ان آثار سے معلوم ہوا کہ کھانا پینا بھی مہتم بالشان ہے کتابت میں بھی احتیاط رکھی جاتی ہے کہ کہیں غلط نہ ہو جائے۔

چو قاضی بفکرت نویسد سجل نہ باشد ز دستار بنداں خجل

''جب قاضی غور وفکر سے دستاویز لکھتا ہے تو وہ علماء سے شرمندہ نہیں ہوتا''

زبانوں سے بات کہہ کر تو مکر بھی جاتے ہیں مگر لکھے ہوئے کا انکار نہیں

کر سکتے معلوم ہوا کہ لکھے ہوئے کو مہتم بالشان جان کر اس کا خیال رکھتے ہیں اسی لئے ہر بات کے لکھنے پر انسان آمادہ نہیں ہوتا مگر زبان کے آگے جھاڑ نہیں (۱) جو چاہے کہتے چلے جاؤ نہ اس کے چلانے میں کچھ خرچ ہوتا ہے پھر ہاتھ پیر تو چل کر تھک بھی جاتے ہیں مگر زبان بولنے سے دکھتی بھی نہیں نیز اس کے چلانے میں کچھ زیادہ قصد کی بھی حاجت نہیں اگرچہ بولنا فعل قصدی ہے (۲) مگر ہر کلمہ کے ساتھ قصد متعلق نہیں ہوتا۔ اگر ہر کلمہ کے ساتھ قصد متعلق ہوتا تو اس سے پہلے علم بھی ہوتا مگر ہم تو وجداناً دیکھتے ہیں کہ بہت سی باتیں اثناء کلام میں زبان سے ایسی نکلتی ہیں جن کا نہ پہلے سے قصد ہوتا ہے نہ علم ہوتا ہے، بس یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک گونہ اجمالی علم ہوتا ہے اُسی سے قصد بھی متعلق ہو جاتا ہے اس سے زیادہ فیصلہ سمجھ میں نہیں آتا بہرحال بولنا اتنا سہل ہے کہ عقلاً اس میں یہ تردد ہو سکتا ہے کہ یہ فعل قصدی ہے یا غیر قصدی اگر فعل قصدی ہے تو ہر کلمہ کے ساتھ قصد ہونا چاہیئے اور یہ وجداناً منتفی ہے (۳) اگر غیر قصدی ہے تو اس پر مواخذہ کیوں ہے۔

## افعال اختیاریہ کی اقسام

قواعد سے اس میں یہ فیصلہ ہے کہ امورِ اختیاریہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کا بقاء و حدوث دونوں قصد و اختیار کے محتاج ہیں (۴) اور دوسرے وہ جو حدوث میں قصد و اختیار کے محتاج ہیں بقاء میں محتاج نہیں (۵) تو کلام اسی دوسری قسم میں داخل ہے جیسا کہ مشی (یعنی چلنا) بھی اور بھی بعضے افعال اس صفت میں کلام کے ساتھ شریک ہیں یعنی ایسے ہی امور اختیاریہ میں سے ہیں کہ اُس کا حدوث محتاج

---

(۱) رکاوٹ نہیں (۲) فعل اختیاری (۳) اور یہ پایا نہیں جاتا (۴) جن کا شروع کرنا اور جاری رکھنا دونوں اختیاری ہیں (۵) دوسرے وہ جن کا شروع کرنا اختیاری ہے جاری رکھنے کے لئے اختیار جدید کی ضرورت نہیں۔

قصد واختیار ہے گو بقاء میں اس کی ضرورت نہیں (۱) کہ مثلاً ہر ہر قدم پر ارادۂ جدید متعلق ہو البتہ یہ ضرور ہے کہ بقاء میں گو تفصیلی علم وارادہ نہیں ہوتا مگر اجمالی ضرور ہوتا ہے یہاں تک تو اشتراک ہے مگر پھر تکلم میں اُن سب سے یہ خاص امتیاز ہے کہ اور مشی (چلنا) وغیرہ سے زیادہ آسان بولنا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا تو یہ کام اتنا آسان ہے کہ بظاہر اس میں قصد کی بھی ضرورت نہیں اسی واسطے کسی نے کہا ہے (اَللِّسَانُ جِرْمُہٗ صَغِیْرٌ وَجرمُہٗ کَبِیْرٌ) ''زبان کا (جرم) جسم چھوٹا ہے اور اس کا جُرم (گناہ) بڑا ہے'' اور اس سہولت ہی کی وجہ سے لوگوں نے اس کو غیر مہتم بالشان سمجھ رکھا ہے دوسرے ہر فعل کا کچھ اثر ظاہر میں باقی رہتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کچھ لکھیں گے تو اس کا اثر باقی رہے گا اسی طرح سب افعال کا چنانچہ تتبع (۲) سے معلوم ہوسکتا ہے مگر زبان کا اثر باقی نہیں رہتا اس لئے بھی لوگوں نے اس کو ہَیّن سمجھ لیا ہے (۳)۔

## نامہ اعمال کی مثال

مگر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے یہاں تو سب کچھ محفوظ ہے آپ سمجھتے ہیں کہ ہم زبان سے جو کچھ کہتے رہتے ہیں وہ معدوم ہوتا جاتا ہے (۴) اور یہ خبر نہیں کہ وہ سب ایک دفتر میں جمع ہو رہا ہے: ﴿مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (۱۸)﴾ (۵)۔

### حق تعالیٰ کے دفتر بہت سے ہیں سب سے چھوٹا دفتر انسان کا نامۂ اعمال

(۱) زبان کی طرح بعض دوسرے اعضاء سے بھی ایسے کام صادر ہوتے ہیں کہ جن کے صدور کے لئے تو ارادے اور اختیار کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بقاء کے لئے نہیں (۲) غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے (۳) ہلکا سمجھ لیا (۴) ختم ہو جاتا ہے (۵) ''وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے'' سورۂ قٓ:۱۸۔

ہے قیامت کے دن ہر شخص کو اس کا نامۂ اعمال دے دیا جائیگا اور کہا جائیگا: ﴿ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ﴾ (۱) جس دن لوگ اس کتاب کو دیکھیں گے تو حیرت سے کہیں گے: ﴿ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴾ (۲) خفیہ پولیس والے کہاں تک لکھیں گے وہ تو تقریر کا خلاصہ ہی نوٹ کرتے ہیں اور یہاں تو بعینہ بجنسہ بلفظہ لکھا جاتا ہے پہلے تو یہ بات بعضوں کی عقل میں بھی نہ آتی تھی کہ فرشتے بعینہ کس طرح لکھتے ہیں مگر خدا بھلا کرے یعنی ہدایت کرے گراموفون ایجاد کرنے والوں کی کہ ان کی اس ایجاد سے ہم کو عقل پرستوں کے سامنے ایک نظیر پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ گراموفون نے اس اشکال کو حل کر دیا سب جانتے ہیں کہ اس میں ساری گفتگو بعینہ محفوظ رہتی ہے اگر کسی دن قاری صاحب نے کوئی غلطی پڑھ دی تو گراموفون میں وہ بند ہو جائیگی اور ہمیشہ کے لئے ان کی غلطی کی یاددہانی گراموفون سے ہوتی رہے گی ممکن ہے کہ نامۂ اعمال میں بھی جذب کلام واعمال کی خاصیت (۳) ہو پھر آدمی خود سوچ لے کہ جس طرح گراموفون میں کلام بند ہو جانے کے بعد اس سے انکار کرنا دشوار ہوتا ہے اور جس وقت وہ کلام جو ہماری زبان سے صادر ہوا تھا بعینہ گراموفون سے سنتے ہیں تو اس کو سن کر دل کو یقین ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ وہی بات ہے جو ہم نے کہی تھی اور اس سے انکار کی ہمت نہیں

---

(۱) ''اپنا نامۂ اعمال کو پڑھ لے آج تو خود اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے'' سورۂ بنی اسرائیل: ۱۴ (۲) ''اس نامۂ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلمبند کیے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب موجود پائینگے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا'' سورۂ کہف: ۴۹ (۳) ممکن ہے کہ نامۂ اعمال میں اللہ پاک نے موبائیل کی طرح یہ خاصیت رکھی ہو کہ وہ ہمارے افعال کی تصاویر اور اقوال کے الفاظ محفوظ کر لے۔

ہوتی۔ اور انکار کرنا بھی چاہے تو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں ذلت زیادہ ہوگی لوگ کہیں گے کہ اگر تم نے یہ بات نہیں کہی تھی تو گراموفون میں آپ سے آپ کس طرح یہ کلام بند ہوگیا۔

اسی طرح نامۂ اعمال کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کے سامنے انکار کی کیسے ہمت ہوگی کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ انسان کو اپنے افعال واقوال کا سب سے زیادہ علم ہوتا ہے: ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ﴿۱۵﴾﴾ (۱) پھر جب ان کو بعینہ بجنسہ نامۂ اعمال میں درج پائے گا تو دل کو تو فوراً یقین ہو جائیگا کہ واقعی یہ اندراج بالکل صحیح ہے اور میں نے ان افعال واقوال کا ارتکاب (۲) کیا تو ہے اس کے بعد اگر حیادار ہے تو ان سے ہرگز انکار نہ کرے گا اور اگر بے حیا ہے تو انکار کرتے ہوئے اس کے لب ولہجہ میں قوت نہ ہوگی بلکہ اس پر دیکھتے ہی ایسا پانی پڑ جائیگا (۳) کہ انکار کرتے ہوئے اس کے لب ولہجہ سے ہر شخص کو اسکا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائیگا۔

## کتابتِ اعمال کا فائدہ

پس اب فِرَقِ ضالّہ (گمراہ فرقے) کے ان اشکالات کا جواب بھی معلوم ہوگیا جو انہوں نے کتابتِ اعمال پر کئے ہیں مثلاً وہ یہ کہتے ہیں کتابتِ اعمال سے کیا نفع اس سے مخلوق پر حجت کیسے قائم ہوگی وہ تو خدا تعالیٰ کے لکھوائے ہوئے اور فرشتوں کے لکھے ہوئے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نامۂ اعمال کے لکھوانے سے یہ نفع ہے کہ اس کو دیکھتے ہی ہر شخص کو فوراً اپنے افعال و اقوال پیش نظر ہو جائیں گے اور دل سے

(۱) ''بلکہ انسان خود اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا گو (باقتضائے طبیعت اس وقت بھی) اپنے حیلے (حوالے) پیش لاوے'' سورۂ قیامہ: ۱۴۔۱۵ (۲) میں نے یہ کام کئے اور یہ باتیں کہیں ہیں (۳) شرمندہ ہوگا۔

تو یقیناً اقرار کرے گا کہ ہاں واقعی یہ لکھا بالکل صحیح ہے۔ پھر حیادار کو تو انکار کی ہمت ہی نہ ہوگی۔

## انسان کے خلاف اعضاء کی گواہی

اور اگر کوئی بے حیا انکار کرے گا بھی تو حق تعالیٰ ان کا منہ بند کرنے کے لئے دوسرا طریقہ تجویز فرمائیں گے: ﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۝۶۵﴾ (۱) ﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَاؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (۲)

اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ اعضاء تو غیر ذی شعور ہیں (۳) ان کو افعال واعمال کی کیا خبر اور وہ کس طرح بولیں گے؟

اس کا وہی جواب ہے جو اوپر گذر چکا کہ فوٹو گراف بھی تو غیر ذی شعور ہے (۴) اس میں آواز کیسے بند ہو جاتی ہے اور وہ کس طرح بولتا ہے اسی طرح ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے اعضاءِ انسان میں بھی یہ خاصیت رکھی ہو کہ سارے اعمال ان میں منقش (۵) ہو جاتے ہوں پھر جب حق تعالیٰ ان میں نطق کی قوت پیدا کرینگے (۶) تو فوٹو گراف کی طرح سب باتوں کو فرفر (۷) ظاہر کردینگے پس یہ مت سمجھو کہ ہمارے اقوال تو زبان سے نکلتے ہی معدوم ہو جاتے ہیں حضرت آپ کے

---

(۱) ''آج ہم اُن کے مونہوں پر مہر لگادینگے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کرینگے اور اُن کے پاؤں شہادت دینگے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے'' سورۂ یٰس: ۶۵ (۲) ''اور وہ لوگ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف میں کیوں گواہی دی وہ جواب دینگے کہ ہم کو اُس نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی'' سورۂ حٰمٓ السجدۃ: ۲۱ (۳) اعضاء میں تو شعور واحساس نہیں ان کو افعال واعمال کی کیا خبر (۴) موبائل اور ٹیپ ریکارڈ میں بھی شعور واحساس نہیں ہے (۵) انسان کے اعمال وافعال اس کے اعضاء میں نقش ہو جاتے ہیں (۶) بولنے کی قوت پیدا فرمائیں گے (۷) فوراً بتادینگے۔

ساتھ فوٹوگراف ہر دم موجود ہے جس میں سب اقوال و افعال منقش ہوتے رہتے ہیں نیز فرشتے بھی لکھتے رہتے ہیں۔

## کفار کے انکارِ رسالت کی وجہ

باقی یہ شبہ کہ فرشتے تو خدا تعالیٰ کے ہیں یہ شبہ بے حیائی کا ہے۔ فرشتے چاہے خدا تعالیٰ کے ہوں مگر اعمال و افعال تو ہمارے ہیں انسان کو اپنے اعمال جزئیہ کی معرفت بمعنیٰ علم جزئی ضرور ہوتی ہے اور علوم جزئیہ میں احتمال غلطی کا بہت کم ہے اسی لئے حق تعالیٰ بعنوان معرفت فرماتے ہیں: ﴿اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَھُمْ فَھُمْ لَہٗ مُنْکِرُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾[1] ''کیا ان لوگوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اسی لئے انکا انکار کرتے ہیں''۔ یہ سوال انکاری ہے مطلب یہ ہے (بَلْ قَدْعَرَفُوْا) کہ یہ لوگ رسول کو ضرور پہچانتے ہیں اور پہچان کر انکار کرتے ہیں منشاء انکار کا عدم معرفت نہیں بلکہ ضد و عناد ہے یا عار و استکبار ہے[2] کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بھی امورِ جزئیہ کی معرفت سے ہے اور امورِ جزئیہ میں غلطی بہت کم ہوتی ہے کفار کے واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت یقیناً حاصل تھی، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے جب آپ سجدہ میں گئے تو چند کفار نے آپ کی گردن پر گندگی رکھ دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلویث ثیاب[3] کے اندیشہ سے دیر تک سجدہ ہی میں رہے یہ حال دیکھ کر کفار ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گر رہے تھے کہ اتنے میں کسی نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع دی یہ اس وقت بچی سے تھیں فوراً دوڑی ہوئی آئیں اور رؤساء کفار کو ان کے منہ پر بُرا بھلا کہا

---

(۱) سورۂ مؤمنون: ۶۹ (۲) انکار کی وجہ ضد و دشمنی اور تکبر و شرمندگی ہے (۳) کپڑوں میں نجاست لگنے کے خوف کی وجہ سے دیر تک سجدہ میں رہے۔

اور گندگی کو اُٹھا کر پھینک دیا اب رسول اللہ ﷺ نے سجدہ سے سر اُٹھایا اور ان کافروں کے نام لے کر رسول اللہ ﷺ نے بددعا فرمائی۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی زبان سے بددعا نکلی تو کفار کے رنگ فق ہوگئے کیونکہ جانتے تھے کہ یہ جو کچھ کہہ دینگے ضرور ہو کر رہے گا حالانکہ مسلمانوں کا تو خود حضور ﷺ ہی کے ارشاد سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کی ہر بددعا کا لگنا ضروری نہیں چاہے لگے یا نہ لگے مگر کفار کا تو یہی خیال تھا کہ آپ جو کچھ کہہ دینگے ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

پس اگر یہ لوگ آپ کی رسالت کو نہ پہچانتے تھے تو پھر آپ کی بددعا سے اتنے خائف کیوں تھے؟ معلوم ہوا کہ پہچانتے تھے مگر عناد و عار کی وجہ سے انکار کرتے تھے چنانچہ اسی عار کی بناء پر کہا کرتے کہ کیا رسالت کے لئے یتیم ابی طالب ہی رہ گئے تھے اگر خدا تعالیٰ کو رسول ہی بھیجنا تھا تو مکہ اور طائف کے کسی مالدار دولت مند کو رسول ہونا چاہیئے تھا: ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝۳۱﴾ (۱) حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں: ﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ (۲) یعنی کیا یہ لوگ نبوت کو بانٹتے ہیں کیا اُس کی تقسیم اُن کے ہاتھ میں ہے جو اپنی طرف سے تجویزیں پاس کرتے ہیں ہم نے ایک ذلیل چیز معیشت دنیا کی تقسیم کا تو اختیار ان کو دیا ہی نہیں بلکہ اس کو بھی ہم نے خود ہی تقسیم کیا ہے پھر نبوت کو یہ لوگ کیا بانٹیں گے غرض ان کو محض عار مانع تھی ورنہ حضور ﷺ کی رسالت میں اُن کو شبہ نہ تھا۔

---

(۱) ''اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا'' سورۃ زخرف:۳۱ (۲) ''کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں دنیوی زندگی میں اُنکی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے'' سورۃ زخرف:۳۲۔

چنانچہ بعض نے مرتے ہوئے اقرار کیا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ نبی ہیں اور آپ کا دین حق ہے مگر مجھے اسلام لانے میں اس کا خوف ہے کہ قریش کی بوڑھی عورتیں یہ کہیں گی کہ دوزخ کے خوف سے اپنے باپ دادا کا دین بدل دیا گویا کفر پر جمے رہنے کا منشا بہادری تھی (۱) کہ لوگ یوں کہیں بڑے بہادر ہیں کہ دوزخ سے بھی نہیں ڈرتے واقعی بڑا بہادر تو وہی ہے جو یوں کہے کہ میں دوزخ سے بھی نہیں ڈرتا: ﴿فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾ (۲)۔

## کفار کی بدعقلی کی مثال

جیسے ایک شخص نے کسی اکھڑ قوم کے ایک بزرگ کی تعریف کی تھی کہ بڑے ولی ہیں پہنچے ہوئے ہیں تو ایک ظریف نے کہا میاں اس قوم میں بھی کہیں کوئی ولی ہوا ہے دیکھو میں ابھی اُن کی قلعی کھولے دیتا ہوں وہ بزرگ صاحب جنگل میں رہتے تھے یہ ظریف اُس شخص کو ہمراہ لے کر پہنچا اور جا کر ملاقات کی۔ اوّل اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے کہنے لگا کہ حضرت آپ کو جنگل میں اکیلے تو بہت ڈر لگتا ہوگا، بزرگ صاحب کو اس کی کہاں تاب تھی جوش آگیا تو کہتے ہیں کہ میاں میں خدا سے تو ڈرتا ہی نہیں (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) اور کسی سے تو کیا ڈرتا۔ اُس ظریف نے اُس معتقد سے کہا کہ دیکھ لیا تم اس کو ولی اور بزرگ کہتے ہو، تو جیسے اس نے بہادری ظاہر کی تھی ایسے ہی بعض کفار بہادری کی وجہ سے ایمان نہ لاتے تھے آخر اسی حال پر مر گئے۔

## اپنے ایمان اور نیک عمل پر ناز نہ کرو بلکہ شکر کرو

یہاں سے یہ سبق بھی حاصل ہوا کہ اپنے اسلام و ایمان کو اپنا فعل مکتسب اور من کل الوجوہ (ہر طرح سے) اپنے اختیار میں کبھی نہ سمجھا جائے یہ اکتساب بھی

---

(۱) کفر پر قائم رہنے کی وجہ بزعم خود بہادری تھا (۲) ''سو دوزخ کے لئے کیسے باہمت ہیں'' سورۂ بقرہ: ۱۷۵۔

جب ہی ہوا جب وہاں سے رحم ہوا انسان کو کبھی علم وعقل پر ناز نہ کرنا چاہیئے آخر وہ رئیس عاقل بھی تھا اور تمام مقدمات سے واقف بھی تھا پھر کیوں نہ اسلام لے آیا۔ اگر یہ سب مقدمات عقلیہ وعلمیہ اسلام لانے میں موثر تام ہیں تو اس جگہ پر مقدمات کیا ہوگئے تھے اسی کو فرماتے ہیں۔

نیاورم از خانہ چیزے نخست　　تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

''میں گھر سے کوئی چیز نہیں لایا آپ ہی نے سب چیزیں عطا کی ہیں میں بھی آپ ہی کا ہوں''

اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ (۱) جو کچھ بھی نعمتیں ہمارے پاس ہیں ظاہری یا باطنی سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں تم اپنی قوت پر کیا نازاں ہوتے ہو۔ تمہاری قوت کیا چیز ہے کچھ بھی نہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ) اس میں نفی اور استثناء کے ساتھ حصر کر دیا ہے کہ اعمال صالحہ کی قوت اور اعمال سیئہ سے بچنے کی طاقت اللہ ہی کی مدد سے ہوتی ہے آگے (عَلِيٌّ وعَظِيْمٌ) اس لئے فرمایا کہ بتلا دیا کہ علو وعظمت حق تعالیٰ ہی کی شان ہے جس کا ظہور توفیق اعمال میں پوری طرح ہوتا ہے کہ ایک عاقل کو تو ایمان واسلام کی توفیق نہیں ہوتی اور بعضے جاہلوں کو ہو جاتی ہے تو بس جس کو جو کچھ عطا ہوا محض عنایت ہی عنایت ہے اس کے بعد ثمرۂ اعمال یعنی نجات بھی عنایت مستقلہ ہے اعمال کا ثمرہ نہیں ہے نہ کسی کے استحقاق کا نتیجہ ہے (۲)۔

## اعمال کی جزاء اللہ کا انعام ہے

کیونکہ استحقاق کے لئے کوئی علت ہونی چاہیئے اور یہاں کوئی علت نہیں

(۱) سورۂ نحل: ۵۳ (۲) اعمال کے نتیجہ میں نجات ہو جانا یہ بھی اللہ کا انعام ہے۔

کیونکہ ہم جو کچھ بھی عمل کرتے ہیں حق تعالیٰ کی توفیق سے کرتے ہیں تو یہ خود ایک عنایت ہے یہ کسی جزاء کے استحقاق کی علت کیونکر ہو سکتی ہے دوسرے اُس جزاء کے سامنے ہمارے اعمال اِس قدر قلیل ہیں کہ جزا کو ان اعمال کی اُجرت کہنا ہی صحیح نہیں بلکہ سب عنایت ہی عنایت ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک مزدور صبح سے شام تک کام کرے اور اس کو بجائے دو آنے کے ایک لاکھ روپے دیئے جائیں تو ہر شخص یہی کہے گا کہ یہ سب انعام ہے یہ کوئی نہ کہے گا کہ اس میں دو آنہ تو مزدوری کے ہیں اور دو آنے کم لاکھ روپیہ انعام ہے کیونکہ قاعدہ یہی ہے کہ بڑے احسان میں چھوٹے کام غائب ہو جاتے ہیں۔

## ہمارے اعمال کی مثال

اب غور کیجئے کہ جنت کے سامنے ہمارے اعمال کیا چیز ہیں کچھ بھی نہیں اول تو ہمارے اعمال عموماً ناقص و مختل ہیں (۱) مثلاً ہم نماز پڑھتے ہیں تو ہر شخص خود سوچ لے کہ ہماری نماز کیسی ہوتی ہے بس حق تعالیٰ کی یہ بھی بڑی رحمت ہے جو مواخذہ (۲) ہی نہ فرمائیں اور یہ تو رحمت پر رحمت ہے کہ قبول فرمالیں اور اگر کسی کے عمل اچھے بھی ہوں تب بھی خدا تعالیٰ کی عظمت کے قابل تو ہرگز نہیں بلاشبہ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک قوی پہلوان کے پیر ایک لڑکا دبائے ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ دبائے ہی نہیں محض نام ہی کے لئے پیروں پر ہاتھ دھر دے یہ تو ناقص ہے کہ اُس نے اپنی ہمت کے موافق بھی عمل نہیں کیا دوسری صورت یہ ہے کہ وہ خوب زور سے دبائے یہاں تک کہ سارا زور ختم کر دے اس نے اپنے نزدیک تو بہت کچھ کیا مگر پہلوان کی قوت کے سامنے اُس نے ابھی بھی کچھ نہیں کیا اس کو تو خبر بھی نہ ہوگی،

(۱) ناقص اور نامکمل ہیں (۲) اس پر پکڑ اور گرفت نہ ہو یہی بڑی رحمت ہے۔

یہ ہمارے اعمال کاملہ کی مثال ہے ہم اپنے اعمال کو اُسی وقت تک کچھ سمجھ سکتے ہیں جب تک اپنے اوپر نظر ہو اور جب خدا تعالیٰ کی عظمت پر نظر ہوگی تو ہر شخص اقرار کرے گا کہ میں نے خدا تعالیٰ کا کچھ بھی حق ادا نہیں کیا پھر استحقاق اجر کے دعوے کا کیا منہ ہے، سعدی رحمۃ اللہ علیہ اسی کو فرماتے ہیں ؎

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیر خویش عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزا وار خداوندیش کس نہ تواند کہ بجا آورد

''بندہ وہی بہتر ہے جو اپنی کوتاہی کا دربارِ خداوندی میں عذر لائے ورنہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کی خداوندی عظمت کے لائق کوئی طاعت بجالاوے''

یہاں سے معتزلہ کی غلطی معلوم ہوگئی جو ان اعمال کو علت اجر قرار دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ پر جزا کو واجب مانتے ہیں۔ ہمارے اعمال کیا چیز ہیں محض علامات میں سے ہیں کہ انکو دیکھ کر ظنی طور پر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسکو نوازنا منظور ہے (۱) اور دوسرے کو نکالنا منظور ہے۔ باقی یہ اعمال موثر بہ تاثیر حقیقی ہرگز نہیں ہیں اور قرآن میں جو جابجا: ﴿جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''یہ ان کے اعمال کا عوض ہے'' فرمایا ہے یہ ہمارا جی خوش کرنے کے لئے ہے ورنہ ہم توبہ کے مستحق نہ تھے پس کوئی اپنے علم وعمل پر ناز نہ کرے اور نہ یہ سمجھے کہ چونکہ ہم تو بڑے بھی عاقل ہیں اسی لئے اسلام وایمان سے مشرف ہیں حضرت بڑے بڑے عاقل گمراہ ہیں اور بعضے جاہل راہ یاب ہیں (۲)۔

## ایک ہندو کا شوقِ دیدارِ خداوندی

ایک جاہل ہندو فقیر سنیاسی (۳) اپنا واقعہ خود مجھ سے بیان کرتا تھا کہ اس

---

(۱) صرف یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس پر اللہ انعام فرمائیں گے (۲) بعض جاہل ہدایت کی راہ پاگئے
(۳) بیان حکایت کے وقت یہ مسلمان تھا ہندو باعتبار ما کان (سابق حالت) کے کہہ دیا ۱۲ ظفر احمد۔

کو خدا تعالیٰ کے دیدار کا شوق غالب ہوا اور یکے بعد دیگرے ہندو پنڈتوں سے اس شوق کو ظاہر کیا کہ مجھے خدا تعالیٰ کو دکھلا دو سب نے اس سے انکار کیا، مگر ایک مہنت [(۱)] نے وعدہ کیا کہ فلاں دن سورج چھپے دریا کے کنارے پر دکھلاؤں گا [(۲)] اس کو شوق غالب تھا وقت پر پہنچا مہنت نے یہ حرکت کی تھی کہ ایک کچھوے کے اوپر گارا جما کر اس پر چراغ جلا کر رکھ دیا تھا جب آفتاب غروب ہو گیا تو اندھیرے میں دور سے روشنی نظر آئی مہنت نے کہا دیکھ وہ خدا ہے، اس نے بھی دیکھا کہ روشنی تو نظر آتی ہے مگر اس کی یہ حالت ہے کہ اُچھلتی ہوئی حرکت کر رہی ہے یہ تحقیق کے لئے روشنی کی طرف دوڑا، مہنت نے کہا ہائیں ہائیں وہاں مت جانا جل جائیگا خدا کا دیدار دور ہی سے کرنا چاہیئے۔ اُس نے کہا بلا سے اگر مر گیا تو کچھ پرواہ نہیں میں تو خدا کو پاس ہی سے دیکھوں گا اگر اس کی جوت سے جل بھی گیا تو اس سے اچھا کیا [(۳)] جب نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ ایک کچھوے پر چراغ رکھا ہوا ہے اب تو اس نے مہنت کو خوب لتاڑا [(۴)] کہ یہ کیا حرکت تھی وہ کہنے لگا کہ بھائی خدا کو بھی کوئی دکھلا سکتا ہے مگر میں نے تیری تسلی کے واسطے یہ ایک ترکیب کی تھی۔

## خدا کو دکھانے کا جھوٹا دعویٰ

یہ تو ہندو کا واقعہ ہے ایک مسلمان صاحب کا واقعہ سنئے کہ اُس نے ایک ذاکر شاغل [(۵)] کے سامنے یہ دعویٰ کیا کہ میں خدا تعالیٰ کو دکھلا سکتا ہوں (نعوذ باللہ) وہ بے چارہ مشتاقِ دیدار آمادہ ہو گیا۔ ہمارے قصبہ کے پاس ایک گاؤں ہے ''غوث گڑھ'' وہاں ایک مسجد کی عمارت بہت عالیشان ہے گو اب وہاں مسلمان

(۱) پنڈت (۲) سورج غروب ہونے کے بعد دریا کے کنارے پر دکھاؤں گا (۳) اگر اس کی تجلی سے جل بھی گیا تو اس سے بہتر کیا ہے (۴) پنڈت کو خوب ڈانٹا (۵) تسبیح و ذکر کرنے والے کے سامنے۔

کوئی بھی نہیں اور مسجد بھی ویران ہے مگر ۔

از نقش و نگارِ در و دیوار شکستہ آثار پدید ست صناوید عجم را

''نقش ونگار اور شکستہ دیوار۔سے شاہانِ عجم کے آثار کا پتہ چلتا ہے''

اُس مُدعی نے دیدار کے لئے اسی مسجد کو تجویز کیا اور اُن صاحب کو رات کے وقت لے گیا اور مسجد میں پہنچ کر اُس نے کچھ وظیفہ بتلا دیا کہ اس کو آنکھیں بند کر کے پڑھتے رہو اور جب میں ''ہوں'' کروں اُس وقت آنکھیں کھول دینا۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں آپ نے ''ہوں'' کی اور اُس شخص نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو واقعی ساری مسجد میں روشنی ہی روشنی تھی مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھا کہ روشنی کے ساتھ اپنا سایہ بھی ہے یہ پڑھے لکھے آدمی تھے انکو فوراً خیال ہوا کہ نورِ حق کے ساتھ یہ سایہ کیسا، اس کی تو یہ شان ہے ۔

چو سلطان عزت علم برکشد جہاں سر بجیب عدم برکشد

''جب محبوبِ حقیقی کی تجلی قلب پر وارد ہوتی ہے سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں''

تجلی حق کے ہوتے ہوئے ظلمت کا نشان کہاں رہ سکتا ہے، اس کے بعد اُس نے پیچھے کو جو نظر کی تو دیکھا وہ مدعی دیا سلائی ہاتھ میں لیئے کھڑا ہے (۱) اس وقت دیا سلائی اول اول چلی تھی۔ دیہات میں نہ پہنچی تھی اس کمبخت نے دیہات میں دیا سلائی سے یہ کام لیا کہ لوگوں کے ایمان کو جلانے لگا یہ دیکھ کر اُس شخص نے جوتا نکال کے خوب مرمت کی کہ نا معقول آ اب میں تجھے خدا دکھلاؤں تو مخلوق کے ایمان کو برباد کرتا ہے۔

## اسلام کی خوبی کا اعتراف

ایسے ہی اُس مہنت نے کیا تھا کہ چھوے پر چراغ جلا کر طالب کو دھوکا

(۱) ماچس جلا کر کھڑا ہوا تھا۔

دیا وہ ہندو کہتا تھا کہ پھر میں دیدار ہی کے اشتیاق میں مسلمان ہوگیا۔ میں نے اُس سے کہا کہ جب تو خدا تعالیٰ کے دیکھنے کے واسطے مسلمان ہوا ہے تو یہ بات تو اسلام سے بھی دنیا میں حاصل نہیں ہوسکتی ہاں ان شاء اللہ آخرت میں یہ دولت حاصل ہوگی تو جب تو دنیا میں خدا کو دیکھے گا نہیں تو مسلمان ہی کیسے رہے گا، اس نے کہا مجھے اسلام میں ایک ایسی خوبی ثابت ہوئی ہے کہ چاہے دنیا میں خدا کا دیدار ہو یا نہ ہو مگر اسلام کو نہ چھوڑونگا، میں نے کہا وہ خوبی کیا ہے؟ کہنے لگا کہ اسلام میں توحید بہت کامل ہے، میں نے کہا تجھے اسلام کی توحید کا کامل ہونا کس بات سے معلوم ہوا؟ کہا اس طرح معلوم ہوا کہ جب کوئی دوسرے مذہب کا آدمی اسلام لاتا ہے تو مسلمان اس کو اُسی وقت سے اپنے سے افضل جاننے لگتے ہیں اور اس کے ساتھ کھانے پینے لگتے ہیں تو یہ اتحاد اسلامی توحید ہی کا اثر ہے یہ بات کسی مذہب میں نہیں۔ میں نے کہا شاباش تو نے خوب سمجھا۔

## نومسلم کا اکرام

صاحبو! اس پر ایک واقعہ استطراداً (۱) یاد آیا جس سے معلوم ہوگا کہ ہم ایسا کرلیں کہ کسی نومسلم کے ساتھ کھانا کھالیں تو کچھ مشکل نہیں مگر امراء و حکام کا ایسا کرنا نہایت کمال ہے، وہ واقعہ منشی جمال الدین صاحب وزیر بھوپال کا ہے کہ ایک دفعہ ان کے یہاں کسی تقریب میں بڑے بڑے ارکان ریاست اور عہدہ داروں کی دعوت تھی دستر خوان بچھا ہوا تھا کہ ایک بھنگی آیا اور کہنے لگا میاں میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں آپ نے فوراً اُسے مسلمان کیا اور خادم سے کہا اس کے کپڑے بدل کر ہمارے خاص لباس میں سے ایک قیمتی جوڑا پہنا دو اور ہاتھ دھلوا کر دستر خوان پر لاؤ

(۱) ضمناً۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جس وقت وہ دسترخوان پر آیا تو بعض لوگ ناک منہ چڑھانے لگے منشی جلال الدین صاحب نے فرمایا۔ صاحبو! آپ بے فکر رہیں یہ آپ کے ساتھ شریک نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ میں کھاؤں گا آپ اس نعمت کے قابل نہیں ہیں جو ایسے پاک بے گناہ کے ساتھ کھانا کھائیں جو گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اس دولت کو میں نے اپنے لئے تجویز کیا ہے چنانچہ آپ نے ایک ہی پیالہ میں اس کے ساتھ کھانا کھایا۔

## حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اکرامِ نومسلم

ایک اور قصہ یاد آیا میں ایک بار کالپی گیا وعظ کے بعد بعض دیہاتیوں نے بیان کیا کہ یہ ایک بھنگی مسلمان ہوا ہے مگر زمیندار اُس سے اب تک پرہیز کرتے ہیں ان کو سمجھا دیجئے میں نے سوچا کہاں تک سمجھاؤں گا میں نے سب کے سامنے پانی منگوایا اور پہلے اُس نومسلم کو پلا کر پھر اس کا جھوٹا خود پیا اور ان زمینداروں کو جو کہ میرے پاس بیٹھے تھے ان سب کو بھی پلایا اور کہا اب مت پرہیز کرنا۔ کہنے لگے کہ اب کیا خاک پرہیز ہوگا۔ مگر میں نے تو ایسے نومسلم کا جھوٹا پیا تھا جو ایک عرصہ سے مسلمان تھا۔ اسلام کے بعد اس کا مُسہل بھی ہوگیا تھا اور منشی جمال الدین صاحب نے ایسے شخص کا جھوٹا کھایا جس نے اسلام کے بعد پیشاب بھی نہ کیا تھا۔ آج کل بعض لوگوں میں یہ بڑا مرض ہے کہ نومسلموں سے پرہیز کرتے ہیں یہ نہایت لغو حرکت ہے (۱)۔ مسلمانوں نے یہ چھوت چھات ہندوؤں سے سیکھی ہے اس کو چھوڑنا چاہیئے (۲)۔

(۱) بیکار حرکت ہے (۲) کسی کے جھوٹے سے احتراز کرنا اور ایک سے دوسرے کو بیماری وغیرہ لگنے کا خیال کرنا ہندوؤں کا طریقہ ہے اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

## کفارِ مکہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے لیکن تکبر کی وجہ سے ایمان نہیں لائے

خیر یہ قصے تو استطرادی تھے میں اُس سنیاسی جاہل فقیر کی حکایت بیان کررہا تھا جوشوقِ دیدار میں اسلام لایا تھا اور اسلام کی توحید کو سمجھ کر (ثبات علی الاسلام) ''اسلام پر ثابت قدم رہنے'' کا عزم کئے ہوئے تھا تو اس واقعہ میں غور کیجئے کہ ایسا جاہل تو مسلمان ہوگیا جس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ خدا کا دیدار دنیا میں نہیں ہوسکتا بلکہ وہ اس کو ممکن سمجھ کر دیدارِ حق کا طالب تھا اور وہ رئیس مکہ باوجود عاقل ہونے کے فقط عورتوں کے خوف سے اسلام نہیں لایا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ کفارِ مکہ سے علمی غلطی نہ ہوئی تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے مگر اتباع سے عار آتی تھی اور یہ عارواستکبار بڑی سدراہ ہے [1] بڑے بڑے اس میں دھوکا کھاتے ہیں اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہم کو عطا ہوا ہے محض عنایت ہے۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست　　تو دادی ہمہ چیزمن چیزِ تست

''میں پہلے سے ہی گھر سے کوئی چیز نہیں لایا تمام چیزیں آپ نے مجھ کو عطا کی ہیں میں بھی آپ ہی کا ہوں''

یہ گفتگو اس پر چلی تھی کہ امور جزئیہ میں غلطی نہیں ہوا کرتی جیسا کہ ﴿اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَھُمْ﴾ ''کیا وہ اپنے رسول کو نہیں پہچانتے ہیں'' سے معلوم ہوا کہ کفارِ مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علمی غلطی نہ تھی پھر امورِ جزئیہ اگر اپنے افعال واقوال ہوں اُن میں غلطی کیونکر ہوسکتی ہے، پس ہر چند کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کے ہیں مگر افعال واقوال چونکہ ہمارے ہیں اس لئے نامہ اعمال کو دیکھ کر انکار کی ہمت نہ ہوگی دل سے ہر شخص کو اس کی صحت کا یقین ہوجائیگا۔ یہ فائدہ ہے۔ کتابت اعمال میں تو

(۱) عار اور تکبر بہت بڑی رکاوٹ ہے قبول ہدایت میں۔

ہم لوگ جو سمجھتے ہیں کہ زبان سے نکلی ہوئی بات کا ظاہر میں کچھ اثر نہیں رہتا اسی لئے وہ غیر مہتم بالشان ہے یہ خیال غلط ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے یہاں سب کچھ محفوظ رہتا ہے جو ایک وقت سب کے سامنے آجائیگا اس کو یاد کرکے زبان کی حفاظت کرنی چاہیئے۔

## توبہ کی تعلیم

اس پر شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ ہم تو اب تک زبان سے ہزاروں بے احتیاطیاں اور سینکڑوں گناہ کر چکے ہیں جو ہمارے نامۂ اعمال میں لکھے گئے ہونگے اب آئندہ کی لیپ پوت سے (۱) کیا ہوتا ہے تو سن لیجئے کہ ان کی تلافی اب بھی ہوسکتی ہے۔ کفر کے برابر تو کوئی گناہ نہیں مگر بندہ اگر تلافی کرنا چاہے تو اس کی بھی تلافی ہوسکتی ہے اور یہ خیال کفار کو بھی ہوا تھا کہ اگر ہم اسلام لے آئیں تو آئندہ کے لئے تو گناہوں کا انسداد ہوجائے گا مگر جو گناہ قتل و زنا وغیرہ کفر کی حالت میں ہم کر چکے ہیں ان کی تلافی کیونکر ہوگی۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تو بعض کفار نے یہی عذر کیا کہ ہم جانتے ہیں اسلام حق ہے مگر ہم اسلام بھی لے آئیں تو ان گناہوں کی تلافی کیونکر ہوگی جو ہم نے اب تک کیئے ہیں اسلام لانے سے ان کو کیا نفع ہوگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (۲) اس میں بتلادیا گیا کہ اسلام لانے سے کفر بھی مٹ جائیگا اور کفر کی حالت میں جتنے گناہ کیے ہیں وہ بھی سب مٹ جائینگے اور اس واقعہ سے

---

(۱) اب آئندہ کی اصلاح کرنے سے کیا فائدہ (۲) ''آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندوں جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادیگا واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے'' سورہ زمر: ۵۳۔

آیت کا مطلب بھی معلوم ہوگیا کہ مقصود اس آیت کا توبہ کی تعلیم ہے اور توبہ سے جو امر مانع تھا اس کو رفع کرنا ہے (۱) اس میں گناہ پر دلیری کی تعلیم نہیں ہے (۲) جیسا کہ بعض جاہلوں کا خیال ہے کہ وہ جرأت علی المعاصی کیلئے اس آیت کو پیش کیا کرتے ہیں (۳) یہ بالکل غلط ہے اس آیت سے گناہوں پر دلیر نہ ہونا چاہیئے۔

## نامۂ اعمال میں سے گناہوں کو مٹانے کی مثال

ہاں جو شخص گناہ کر کے توبہ کرنا چاہے اور اس کو یہ خیال مانع ہو کہ میرے اتنے گناہوں کو توبہ سے کیا نفع ہوگا اُس کو اس آیت سے کام لے کر توبہ کی ہمت کرنی چاہیئے ایسے شخص کو اس آیت میں خطاب کیا گیا ہے کہ جب تم اپنے پہلے گناہوں سے توبہ کرلو گے تو وہ سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور نامۂ اعمال میں سے بھی مٹ جائیں گے وہ ایسے لکھے ہوئے نہیں ہیں جیسے چھپی ہوئی روشنائی کے حروف ہوں بلکہ ایسے لکھے ہوئے ہیں جیسے سلیٹ پر پتھر کے قلم سے حروف لکھے ہوتے ہیں کہ لب لگا کر ان کو مٹا دیتے ہیں (۱) اسی طرح توبہ کے بعد حق تعالیٰ سب گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔

## مزید انعام

پھر یہی نہیں کہ گناہوں کو مٹا کر ان کی جگہ خالی چھوڑ دیں بلکہ حق تعالیٰ اس جگہ کو بھی بھر دیتے ہیں اور نامۂ اعمال کو مزین کر دیتے ہیں۔ اس طرح کہ گناہوں

---

(۱) توبہ کرنے سے جو بات رکاوٹ بنتی تھی اس کو دور کر دیا (۲) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہوں کا ارتکاب کیا جائے اور پھر کہا جائے کہ "اللہ بڑا غفور الرحیم ہے" (۳) گناہوں کا ارتکاب کرنے کے لئے اس آیت کو پیش کرتے ہیں (۴) تھوک لگا کر سلیٹ پر لکھے ہوئے کو مٹا دیتے ہیں۔

کی جگہ نیکیاں لکھ دیتے ہیں: ﴿فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ﴾ (۱)

تمہارا کہا ہوا تو مٹ جاتا ہے مگر حق تعالیٰ کا کہا ہوا نہیں مٹ سکتا۔

حق تعالیٰ وعدہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے بعد ہم گناہوں کے عوض اپنے پاس سے بہت کچھ دیں گے سبحان اللہ کس قدر عنایت ہے اب بھی اگر کوئی توبہ نہ کرے تو اُس سے زیادہ محروم کون ہوگا۔

## توبہ کا طریقہ

مگر یہ یاد رکھیئے کہ ہر گناہ سے توبہ کرنے کا طریقہ الگ ہے اگر جھوٹ بولا ہے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے استغفار کرلو اور اگر غیبت کی ہو تو اس کے لئے صرف استغفار کافی نہیں بلکہ جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی بھی چاہو مگر معافی چاہنے میں اس کی ضرورت نہیں اس سے یوں کہو کہ میں نے تیری فلاں فلاں غیبت کی ہے اور تجھے یوں بُرا بھلا کہا ہے کیونکہ اس تفصیل سے خواہ مخواہ اس کو ایذاء (۲) دینا ہے ممکن ہے کہ اب تک اُس کو غیبت کی اطلاع بھی نہ ہوئی ہو تو تم خود کہہ کر اس کا دل کیوں دکھاتے ہو بلکہ اجمالاً معافی چاہ لو کہ میرا کہا سنا معاف کردو اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے سامنے تم نے غیبت کی تھی اُن کے سامنے اس کی مدح وثنا بھی کرو اور پہلی بات کا غلط ہونا ظاہر کردو اور اگر وہ بات غلط نہ ہو سچی ہو تو یوں کہہ دو کہ بھائی میری اس بات پر اعتماد کرکے تم فلاں شخص سے بدگمان نہ ہونا کیونکہ مجھے خود اس پر اعتماد نہیں رہا (یہ تو ریہ ہوگا کیونکہ سچی بات پر بھی اعتماد قطعی بدون وحی کے نہیں ہوسکتا) اور اگر وہ مرگیا ہو جس کی غیبت کی تھی تو اب غیبت کے معاف کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے لئے دعا واستغفار کرتے رہو

(۱) "یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دینگے" سورۂ فرقان: ۷۰ (۲) تکلیف دینا ہے۔

یہاں تک کہ دل گواہی دے دے کہ اب وہ تم سے راضی ہوگیا۔

غرض حفاظت لسان کی سخت ضرورت ہے۔ جتنے گناہ زبان سے ہوتے ہیں اور کسی عضو سے نہیں ہوتے ہیں سب کی تفصیل کہاں تک بیان کروں اگر تفصیل دیکھنے کا شوق ہو تو امام کی (۱) کتاب ''احیاء العلوم'' میں باب آفات اللسان دیکھو اور ''ضمان الفردوس'' ایک رسالہ اردو میں ہے اسکا مطالعہ کرو۔

## زبان کے گناہ

اس وقت زبان کے اُن گناہوں کو بیان کرتا ہوں جن کو لوگ گناہ بھی نہیں سمجھتے۔ یعنی زبان کے بعض گناہ تو ایسے ہیں جن کو سب جانتے ہیں کہ یہ گناہ ہے جیسے جھوٹ بولنا۔ غیبت کرنا، بہتان باندھنا، کوسنا وغیرہ اور بعض گناہوں کا گناہ ہونا لوگوں کو معلوم نہیں جیسے بے تحقیق کسی بات کا نقل کرنا اور سنی سنائی بات کو بدون تحقیق کے فوراً زبان سے نکال دینا اس کو بہت لوگ گناہ ہی نہیں جانتے حتی کہ اتقیاء (۲) بھی اس میں مبتلا ہیں اور جو بہت محتاط ہیں وہ سنی سنائی بات کو نقل کر کے اخیر میں کہہ دیتے ہیں کہ ''دروغ برگردن راوی اول'' (جھوٹ کا گناہ اول راوی کی گردن پر ہے) گویا اس کہنے سے وہ بری ہو گئے۔

## بلا تحقیق بات کہنا گناہ ہے

ہرگز بری نہیں ہوسکتے، اگر یہ قاعدہ ہوتا کہ سارا گناہ راوی اول ہی پر ہو اور اس سے سن سنا کر جو لوگ بعد میں نقل کریں وہ بری الذمہ ہوں تو واقعہ افک میں حق تعالیٰ کیوں لتاڑتے (۳) اور اُن پر یہ جرم کیوں قائم کرتے: ﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ

---

(۱) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۲) نیک لوگ (۳) ڈانٹتے۔

بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ق وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ کیونکہ وہاں بھی تو ایک راوی اول تھا جس نے یہ بہتان تراشا تھا[1] اور اُسی سے یہ بات مدینہ میں پھیلی تھی کیونکہ اول منافقین نے اس بات کا چرچا کیا تھا پھر کچھ مسلمانوں نے بھی منافقین سے سن کر تذکرہ شروع کیا تھا جس پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ نہیں کہا گیا کہ ''دروغ بر گردن راوی اول'' بلکہ یہ فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ط لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ط بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ج﴾ ''کہ جن لوگوں نے یہ بہتان باندھا ہے وہ تمہارے ہی میں سے ایک جماعت ہے. تم اس واقعہ کو اپنے لئے بُرا مت سمجھو بلکہ اس میں تمہارے لئے خیر ہے (ان میں سے ہر شخص کے لئے وہ ہے جو گناہ حاصل کیا ہے ۱۲ ظ) ''کیونکہ ایک تو اس سے افتراء (یعنی حد قذف ۱۲ ظ) کا حکم معلوم ہو جائے گا، دوسرے یہ معلوم ہو جائیگا کہ سنی سنائی بات کا نقل کرنا اور اس کا اعتبار کرنا جائز نہیں، تیسرے آئندہ اگر کسی متقی پر اس قسم کا بہتان باندھا جائیگا تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ اس کے لئے تسلی کا باعث ہوگا کہ مجھ سے پہلے بھی بے گناہ آدمیوں کو متہم کیا گیا ہے وغیرہ'' ذٰلك من الـوفـائد'' اس کے علاوہ اور بھی فائدے ہیں ۱۲ ظ'' اس کے بعد ارشاد ہے کہ ان میں سے ہر شخص کے لئے گناہ کا حصہ ہے اس میں حق تعالیٰ نے سب کو گناہ گار قرار دیا راوی اول کو بھی اور ناقلین کو بھی اس کے بعد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾﴾ ''کہ جس شخص نے اس میں بڑا حصہ لیا ہے (یہ راوی اول ہے) اس کے لئے بہت بڑا عذاب ہے'' پس یاد رکھو کہ اس معاملہ میں حق تعالیٰ

(۱) ایک پہلا شخص تھا جس نے بہتان گھڑا تھا یعنی عبداللہ بن اُبی۔

تمہارے قانون پر عمل نہ کریں گے کہ "دروغ برگردنِ راوی اول" بلکہ اپنے قانون پر عمل فرمائیں گے جس کا بیان اگلی آیت میں ہے: ﴿اِذْ تَلَقَّوْنَہٗ بِاَلْسِنَتِکُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاہِکُمْ مَّا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ﴾ اس میں مسلمانوں کو خطاب ہے کہ تم زبان سے اس بہتان کا تذکرہ اور چرچا کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکالتے تھے جس کی تم کو تحقیق نہ تھی۔ اس میں بتلا دیا کہ بے تحقیق بات کا زبان سے نکالنا جرم ہے اور یہ بھی بتلا دیا کہ تحقیق بھی ہو جائے تو اس کا چرچا کرنا اور خواہ مخواہ پھیلانا دوسرا جرم ہے[1] اگر کسی بات کی تحقیق بھی ہو جائے تو اس کو زبان سے نکالنا اُسی حد تک جائز ہے جس حد تک ضرورت ہو اور ضرورت سے زیادہ پھیلانا اور اس کا بے فائدہ چرچا کرنا پھر بھی جائز نہیں۔

## سنی سنائی بات نقل کرنے کا معیار وطریقہ

مثلاً کسی کو کسی کے متعلق تحقیق ہو جائے کہ یہ فلاں جرم کا مرتکب ہے تو امر بالمعروف کے طور پر خود اس شخص سے کہے کہ میں نے تیرے متعلق ایسا سنا ہے اگر یہ بات سچ ہے تو تم کو توبہ کرنا اور اس سے باز رہنا چاہیئے اگر اس سے نہ کہہ سکے تو اس کے کسی مربی سے کہہ دے جو اس کو روک سکتا ہو اور یہ بھی اس وقت ہے جب تحقیق ہو جائے اور تحقیق نہ ہو تو پھر کسی سے بھی کہنا جائز نہیں نہ خود اس شخص سے نہ اس کے مربی وغیرہ سے۔

(۱) اس کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے وعید کو دو باتوں پر مرتب فرمایا ہے ایک تو زبان سے بہتان کا تذکرہ اور چرچا کرنا دوسرے ایسی بات کا زبان سے نکالنا جس کا علم نہیں ہے یہ دو باتیں جدا جدا ہیں کما فی شرح البیان ۱۲ ظفر احمد۔

## تحقیق کا طریقہ

پھر تحقیق کا طریقہ ہر کام کے لئے جدا ہے بعض امور میں دو عادل گواہ ضروری ہیں بعض میں چار پھر اُن گواہوں میں بھی مشاہدہ سے گواہی ضروری ہے یہ نہیں کہ سب تمہاری طرح سنی سنائی کہتے ہوں پس جو بات منہ سے نکالنا ہو اُس کے متعلق اول نفس سے سوال کیجئے کہ اس کا منہ سے نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ دو حال سے خالی نہیں یا تو آپ عالم ہیں یا جاہل ہیں، اگر عالم ہیں تو قواعدِ شرعیہ سے جواب معلوم ہو جائیگا ورنہ کتابوں سے مراجعت کیجئے اور اگر جاہل ہیں تو آپ کو پہلے کسی عالم سے دریافت کرنا چاہیئے یا بقدر ضرورت علم حاصل کرنا چاہیئے۔

بہر حال اگر آپ نفس سے یہ سوال کرینگے تو اکثر واقعات میں یہی جواب ملے گا کہ یہ جائز نہیں اور کمتر یہ جواب آئیگا کہ جائز ہے اس پر دوبارہ نفس سے سوال کیجئے کہ اس کے منہ سے نکالنے میں کوئی فائدہ اور مصلحت بھی ہے اسکا جواب بھی اکثر یہی آئے گا کہ کوئی نہیں تو پھر اس بات کو ہرگز منہ سے نہ نکالو اور جس کے متعلق یہ جواب آئے کہ اس کا منہ سے نکالنا جائز ہی نہیں اس کے تو پاس بھی نہ جاؤ۔

## خاموشی میں سلامتی ہے

مگر یاد رکھو کہ ناجائز باتوں سے اسی وقت بچ سکتے ہو جب اسکی عادت ہو جائے کہ مباح اور جائز باتیں بھی بے ضرورت نہ کرو بس زیادہ تر سکوت اختیار کرنا چاہیئے حدیث میں ہے: (( مَنْ سَكَتَ سَلِمَ وَمَنْ سَلِمَ نَجٰى )) ''جس نے خاموشی اختیار کی سلامت رہا اور جو سلامت رہا اُس نے نجات پائی'' اور ایک فارسی مصرع ہے۔

خموشی معنئ دارد کہ در گفتن نمی آید
''خاموشی ایسے معنی رکھتی ہے جو کہنے میں نہیں آسکتے''

اس مصرع میں لطیفہ ہے یعنی مصرع ذو معنی ہے ایک معنی تو یہ ہیں کہ خاموشی میں ایسی خوبی ہے جو بیان نہیں ہوسکتی دوسرے معنی یہ ہیں کہ خاموشی میں ایسی خوبی ہے جو بولنے میں ہرگز نہیں، بزرگوں نے تو فضول باتوں سے یہاں تک احتراز کیا ہے کہ بعض اُن اقوال سے بھی پرہیز کرتے تھے جو ظاہر میں مستحب معلوم ہوتے ہیں حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا واقعہ ہے کہ وہ شیطان پر بھی لعنت نہ کرتی تھیں کسی نے اس کا سبب پوچھا فرمایا کہ محبوب کا ذکر چھوڑ کر میں دشمن کے ذکر میں کیوں مشغول ہوں، سعدی رحمۃ اللہ علیہ خوب فرماتے ہیں ۔

گر ایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے
''اگر یہ مدعی دوست کا عارف ہوتا تو دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہ ہوتا''

حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا ہی کا دوسرا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ان کے پاس چند صوفی بیٹھے ہوئے دنیا کی مذمت کررہے تھے آپ نے فرمایا: (قُوْمُوْا عَنِّیْ فَاِنَّکُمْ تُحِبُّوْنَ الدُّنْیَا ) میرے پاس سے اُٹھ جاؤ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اُن لوگوں نے کہا کہ حضرت ہم تو دنیا کی مذمت کررہے ہیں اگر محبت ہوتی تو ہم مذمت کیوں کرتے فرمایا: (مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ) جس کو کسی چیز سے محبت ہوا کرتی ہے وہ اس کو بہت یاد کیا کرتا ہے چاہے کسی عنوان سے یاد کرے۔ ایک عنوان یاد کا یہ بھی ہے کہ برائی سے یاد کرے۔

## شبہ کا جواب

شاید اس پر کسی کو شبہ ہو کہ کثرت ذکر منشاء ہمیشہ محبت نہیں ہوا کرتی بلکہ

کبھی عداوت نفرت بھی منشا ہوتی ہے، اگر حضرت رابعہ محض مجذوب ہوتیں تو مجھے اُن کے کلام کی توجیہ کی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ وہ مجذوب عاقل تھیں اس لئے میں ان کے کلام کی توجیہ کرتا ہوں حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا اپنے زمانہ میں ایسی بزرگ تھیں کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے علماء واولیاء ان کی زیارت کو آتے تھے اور اُن کی نصائح اور مواعظ سے مستفید ہوتے تھے حالانکہ یہ عورت تھیں مگر

نہ ہرزن زن ست نہ ہر مرد مرد    خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

"نہ ہر عورت عورت ہے نہ ہر مرد مرد ہے خدا تعالیٰ نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں کیں"

خود رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا فرمایا کرتی تھیں کہ عورتوں کو بعض کمالات ایسے عطا ہوئے ہیں جو مردوں میں نہیں منجملہ ان کے ایک کمال یہ ہے کہ ان میں مدعی الوہیت (خدائی دعویدار) کوئی نہیں دوسرے ان میں مخنث کوئی نہیں یہ تو جملہ معترضہ تھا، اب میں حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے کلام کی توجیہ کرتا ہوں تو سنئے کہ آپ جب مجلس میں بیٹھ کر اپنے اعداء[1] کی مذمت کرتے ہیں تو اگر کوئی چمار بھنگی بھی آپ کا دشمن ہو اس کی مذمت آپ مجلس میں کبھی نہ کرینگے کہ میں اس سے نہیں ڈرتا وہ میرا کیا کرسکتا ہے ہاں تھانہ دار تحصیلدار یا ڈپٹی آپ کا دشمن ہو تو اس کی مذمت بڑے زور شور سے کرینگے کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں وہ میرا کیا کرسکتا ہے ہم ان کی جڑیں اکھاڑ دیں گے اس سے معلوم ہوا کہ گو تذکرہ کبھی عداوت و نفرت[2] سے بھی ہوتا ہے مگر اعداء میں سے بھی انہی کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کی کسی قدر دل میں عظمت ہو اور جو دشمن اس شخص

(۱) دشمنوں (۲) تذکرہ کبھی دشمنی اور نفرت کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔

کی نظر میں حقیر و ناچیز ہو اس کا تذکرہ نہیں کیا جاتا کیونکہ حقیر سے استغناء ظاہر کرنے میں کچھ اپنی عظمت ظاہر نہیں ہوتی (۱) بخلاف اس کے کہ آپ ڈپٹی یا تھانہ دار سے استغناء وعدم مبالات (۲) ظاہر کریں تو اس میں اپنی بڑائی کا اظہار ہوتا ہے کہ ہم ایسے ایسے لوگوں کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے قول پر کچھ اشکال نہیں رہا انکا مطلب یہ تھا کہ اگر دنیا واقع میں تمہارے نزدیک حقیر و ناچیز ہوتی تو تم اس کی مذمت کبھی نہ کرتے تمہارا اس کی مذمت کرنا اس کی عظمت پر دلالت کرتا ہے اور محبت سے مراد یہی عظمت ہے ممکن ہے کہ یہ مضمون ان کے ذہن میں بھی نہ آیا ہو۔ مگر کلام کی توجیہ ہوگئی۔

## ”مرچوں کا استعمال سبب گناہ ہے“ اس قول کی خوبصورت تاویل

اور اس تقدیر پر یہ تاویل ایسی ہوگئی جیسے انبیٹھ میں ایک بزرگ تھے وہ اپنے وعظ میں فرمایا کرتے تھے کہ آجکل لوگ جھوٹ بہت بولتے ہیں گناہوں سے نہیں بچتے زنا کرتے ہیں نظرِ بد سے احتراز نہیں کرتے پھر اخیر میں فرمایا کرتے کہ یہ سب فساد مرچوں کا ہے، میں نے اس کی یوں توجیہ کی کہ مرچوں سے کھانا لذیذ ہو جاتا ہے تو بہت کھایا جاتا ہے اور بہت کھانے سے قویٰ بہیمیہ کو ترقی ہوتی ہے (۳) اس لئے گناہ زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ گناہوں کا سبب قویٰ بہیمیہ کا اشتداد اور قویٰ ملکیہ کا ضعف ہی ہے (۴)۔ پھر میں یہ بھی کہہ دیا کرتا ہوں کہ یہ مضمون چاہے متکلم کے ذہن میں بھی نہ ہو۔

---

(۱) حقیر وذلیل سے بے نیازی ظاہر کرنے میں اپنی عظمت کا اظہار نہیں ہوتا (۲) بے پرواہی (۳) حیوانی طاقتوں کو ترقی ہوتی ہے (۴) حیوانی قوتوں کی زیادتی اور ملکی (فرشتوں) صفات کی کمی ہے۔

# متنبّی کے شعر کی بے مثال تشریح

جیسے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ متنبّی کے بعض اشعار کا مطلب بیان کر کے فرمایا تھا کہ شعر کا مطلب تو یہی ہے چاہے خود متنبّی نے بھی نہ سمجھا ہو اور وہ شعر یہ ہے ؎

وَلَا فَضْلَ فِیْهَا لِلشَّجَاعَةِ وَالنَّدیٰ    وَصَبْرُ الْفَتیٰ لَوْلَا لِقَاءُ شُعُوْبَ

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”اگر موت نہ آیا کرتی تو دنیا میں شجاعت اور سخاوت اور ثبات واستقلال کی کچھ بھی فضیلت نہ ہوتی“ اس کی توجیہ عام شرّاح نے تو یہ کی ہے کہ انسان سخاوت سے اسی لیے رکتا ہے کہ اگر مال خرچ ہوگیا تو میں بھوکا مروں گا شجاعت و مقاتلہ سے [1] اس لئے خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہم مر نہ جائیں۔ پس اگر موت نہ ہوتی تو ان اوصاف میں کچھ بھی فضیلت نہ ہوتی اس وقت تو ہر شخص شجاعت وسخاوت کے اختیار کرنے پر دلیر ہوجاتا کیونکہ موت سے تو بے فکری ہی ہوتی، مگر حضرت اُستاد علیہ الرحمۃ نے اس کا عجیب مطلب بیان فرمایا کہ اگر موت نہ ہوتی تو آج پہلے زمانہ کے اسخیاء حاتم وغیرہ اور پہلے زمانہ کے اتقیاء [2] حضرات انبیاء علیہم السلام وصحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اور پہلے زمانہ کے بہادر حضرت خالد بن ولید اور رستم وغیرہ سب موجود ہوتے پھر اُن کے ہوتے ہوئے ہماری سخاوت و شجاعت واستقلال کی کیا خاک قدر ہوتی۔ کچھ بھی نہیں اس وقت جو ہمارے کمالات کی قدر ہے وہ موت ہی کی برکت سے ہے کہ پہلے زمانہ کے اہلِ کمال اس وقت مفقود ہیں پس شعر کا حاصل یہ ہوا کہ (کَبَّرَنِیْ مَوْتُ الْکُبَرَاءِ) ”بڑوں کی موت نے ہمیں بڑا بنادیا ہے“ پھر فرمایا کہ مطلب تو یہی ہے چاہے متنبّی نے بھی نہ سمجھا ہو

(۱) لڑائی (۲) نیک لوگ۔

واقعی اس وقت یہ شعر ایک علمی پاکیزہ مضمون پر مشتمل ہوگیا (وَھُوَ کَمَا قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ فِیْ جَوَابِ مَنْ مَدَحَہٗ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ) ''اور ایسا ہے جیسا کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کے جواب میں فرمایا ہے جس نے آپ کی تعریف اور ثنا کی ہے''۔

خلت الدیار فسدت غیر مسود ومن الشقاء تفردی بالسودد

اور اس مطلب کے سامنے عام شرّاح کی توجیہ بالکل پھس پھسی ہے۔

غرض بعض دفعہ دوسرا شخص کسی کے کلام کی توجیہ ایسی عمدہ کر دیتا ہے کہ خود مصنف اور متکلم کا ذہن بھی وہاں تک نہیں پہنچتا۔

## انبیاء علیہم السلام کے کلام میں مذمتِ دنیا کی وجہ

بہرحال بزرگوں نے تو بے فائدہ باتوں سے یہاں تک احتراز کیا ہے کہ حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا بے ضرورت شیطان پر بھی لعنت نہ کرتیں اور بے ضرورت دنیا کی مذمت کو بھی پسند نہ کرتی تھیں حالانکہ بظاہر یہ دونوں کام مستحب معلوم ہوتے ہیں مگر ایک مستحب سے دوسرے اہم کام میں خلل پڑتا ہو تو وہ مستحب نہیں رہا کرتا بلکہ اُس سے منع کیا جاتا ہے اس سے یہ اشکال بھی رفع ہوگیا کہ پھر حضرات انبیاء علیہم السلام نے دنیا کی مذمت تفصیل کے ساتھ کیوں کی ہے۔

جواب یہ ہے کہ وہ ضرورت تبلیغ کے لئے تھی کیونکہ امت میں طالبانِ و محبانِ دنیا بھی ہونے والے تھے ان کی تنبیہ و تعلیم کے لئے حدیث میں دُنیا کی مذمت کی گئی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے لئے تبلیغ احکام سب سے اہم ہے اس لئے وہاں اس مذمت سے کسی اہم کام میں خلل نہ ہوتا تھا بخلاف ان صوفیوں کے جو حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی مجلس میں دنیا کی مذمت کر رہے تھے کہ وہاں تبلیغ کا محل نہ تھا کیونکہ وہاں تو سب کے سب عابد و زاہد ہی جمع تھے۔

## مُحدّثین کی راویوں پر جرح غیبت نہیں ہے

بہر حال بے ضرورت بات کو منہ سے نہ نکالنا چاہیئے اور اگر دینی ضرورت ہو تو پھر غیبت بھی مباح ہے جیسے محدثین نے رواۃ حدیث پر جرح کی ہے۔ محدثین نے کسی کو بھی نہیں چھوڑا نہ امام بخاری کو نہ ترمذی کو نہ مسلم کو نہ امام ابوحنیفہ کو نہ امام شافعی کو (رحمہم اللہ تعالی) سب میں کچھ نہ کچھ کلام ضرور کیا ہے بس وہی حال ہے کہ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں ۔۔۔ تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

بعض کم فہم کہتے ہیں کہ محدثین سے قیامت میں غیبت کی بہت پکڑ ہوگی یہ معترضین کی غلطی ہے۔ اگر ان کی نیت میں فساد ہوگا تو پکڑ ہوگی ورنہ اُن کو اجر ہوگا۔ کیونکہ مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ کی تنقیح کی جائے اسی لئے وہ راویوں کا حال بیان کرتے ہیں کہ فلاں ثقہ ہے فلاں ضعیف ہے فلاں کذّاب ہے اگر اس میں ان سے خطا بھی ہوگئی ہو تو وہ خطا ایسی ہے ؎

گر خطا گوئی ورا خاطی مگو ۔۔۔ در شود پر خوں شہید آں را مشو

خونِ شہیداں راز آب اولی ترست ۔۔۔ ایں خطا از صد ثواب اولیٰ ترست

"اگر وہ خطا بھی کرے اس کو خطا کار مت کہو اگر شہید خون سے بھر جائے تو اس کو مت دھوؤ شہیدوں کا خون پانی سے بہتر ہے اور یہ خطا سو صواب سے زیادہ اولیٰ ہے"

## غیبت و بہتان میں فرق

غرض دینی ضرورت سے اگر کسی کی غیبت کرے تو جائز ہے مگر ضروری ہونے کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ بات محقق ہوگئی جو تم بیان کرنا چاہتے ہو اگر دینی ضرورت نہیں بلکہ محض نفسانیت ہی نفسانیت ہے تو اس صورت میں امر محقق کا بیان کرنا بھی جائز نہیں کہ یہ غیبت محرمہ ہے (1) اور بلا تحقیق کوئی بات کہی جائے تو

(1) ایسی غیبت حرام ہے

بہتان ہے اسی کی نسبت حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾﴾ ”جبکہ تم اپنی زبان سے اس افتراء کا تذکرہ کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکالتے تھے جس کی تم کو تحقیق نہ تھی اور تم اس کو معمولی اور سرسری بات سمجھتے تھے حالانکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت بڑا جرم ہے“ یہ مختصر آداب ہیں کسی کے متعلق کوئی بات نقل کرنے کے۔ اب دیکھ لیا جائے کہ ہم لوگ ان کی کہاں تک رعایت کرتے ہیں عوام تو عوام بخدا اہل علم اور خواص بھی بہت سی باتیں بے ضرورت کہتے ہیں اور ان میں زیادہ تر بے تحقیق باتیں ہوتی ہیں اگر رسالت مآب ﷺ کا زمانہ ہوتا تو آج کل کے اکثر ثقہ سقے ثابت ہوتے (۱)۔

## بلا تحقیق بات نقل کرنے والوں کا غلط استدلال

عموماً عادت یہ ہے کہ جہاں کسی سے کوئی بات سنی اور اس کو نقل کرنے لگے اور جو ان سے پوچھا جائے کہ میاں اس کی تحقیق بھی کی؟ تو کہتے ہیں۔ ”تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا“ جب تک کچھ اصل ہی نہ ہو لوگ اسکا چرچا نہیں کرتے“ اجی اس کی کچھ تو اصل ہے جب تو لوگوں میں چرچا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دلائل شرعیہ میں سے یہ کونسی دلیل ہے یہ حدیث ہے یا قرآن ہے یا کسی مجتہد کا فتویٰ ہے کچھ بھی نہیں بلکہ یہ قول تو نص کے معارض ہے حدیث میں ہے: ((كفى بالمرأ كذبا ان يحدث ما سمع))(۲) آدمی کے جھوٹا ہونے کو یہ بات کافی ہے کہ جو بات سنے اُسے نقل کردے۔ نیز قرآن میں خود یہ آیت وارد ہے: ﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ ”جبکہ تم اپنی زبانوں سے اس افتراء

(۱) قابل اعتماد لوگوں کی حالت ایک ماشکی (پانی بھرنے والے) کی سی ہوتی (۲) کنز العمال: ۸۲۹ا۔

کا تذکرہ کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکالتے تھے جس کی تم کو تحقیق نہ تھی،
جس میں بے تحقیق کئے کسی بات کے تذکرہ سے منع فرمایا ہے پھر ان نصوص کے
مقابلہ میں ''تانباشد چیز کے مردم نگویند چیزہا'' سے استدلال کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔

## باتوں کی نقل میں بے احتیاطی

پھر اس کا یہ مطلب کہاں ہے کہ آدمیوں کے تذکرہ کرنے سے تم کو اس کا
بیان کرنا جائز ہوگیا بلکہ اس میں تو صرف یہ بتلایا ہے کہ جب تک کسی بات کی کچھ
اصل نہیں ہوتی اس وقت تک آدمی اس پر حاشیہ نہیں چڑھاتے اور وہ بھی اکثر یہ ہے
نہ کہ کلیہ رہا یہ کہ تم کو اس کا نقل کرنا جائز ہے یا نہیں اس سے اس قول میں سکوت
ہے اور یہ بات بھی پہلے زمانہ میں ہوگی کہ بدون کسی قدر اصل کے حاشیہ نہ لگاتے
ہوں آجکل تو واللہ یہ حالت ہے کہ بعض دفعہ بالکل بے پر کی اُڑاتے ہیں متن بھی
خود ہی تصنیف کرلیتے ہیں اور خود ہی اس پر حاشیہ بھی چڑھالیتے ہیں۔ (۱)

چنانچہ میری بابت ایک دفعہ شہر میں اڑادیا کہ وہ جمعرات کے دن شاہ ولایت
میں گیا تھا اور وہاں طوائفین ناچ گارہی تھیں مجھ کو دیکھ کر رُک گئیں تو میں نے ان سے کہا
بھائی تم بھی خدا کی مخلوق ہو اپنا کام کرو۔ حالانکہ میں خود مزاروں ہی پر ہی کبھی نہیں جاتا
تا بحاشیہ چہ رسید (حاشیہ کی کیا ضرورت ہے) تو اب میں کیونکر نہ کہوں کہ آج کل بے پر
کی خبریں اُڑاتے ہیں اور ثقات وخواص بھی ان کو نقل کرنے لگتے ہیں۔

## لوگوں کی نقل کردہ باتوں پر یقین کرنے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اصول

اس لئے میں باب روایت میں اہل علم پر بھی بہت کم اعتماد کرتا ہوں مگر یہ
نہیں کہ میں سب کو کاذب سمجھتا ہوں بلکہ اس کے لئے میں نے ایک قاعدہ مقرر

(۱) خود ہی اصل بناتے ہیں اور خود ہی اس پر حاشیہ لگاتے ہیں۔

کر رکھا ہے وہ یہ کہ جس کی ایک روایت بھی کبھی غلط پاتا ہوں میں اس کو عملاً کذابین کی فہرست میں شمار کرلیتا ہوں جن میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو عمداً جھوٹ بولتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو بے تحقیق روایت کرتے ہیں وہ عمداً تو جھوٹ نہیں بولتے بلکہ کسی سے سن کر بیان کرتے ہیں مگر تحقیق نہیں کرتے کہ راوی کیسا ہے۔ عادل ہے یا غیر عادل اور عادل ہے تو اس کو دوسرے سے عداوت وغیرہ تو نہیں ہے شاید اس پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب وہ لوگ کبھی سچ بھی بولتے ہیں تو اُن کو علی الاطلاق کاذب کیسے سمجھ لیا گیا۔ تو سنئے مراد میری یہ ہے کہ اُن کو قانوناً جھوٹا سمجھتا ہوں اب چاہے جھوٹ سمجھنا یقین کے درجہ میں ہو یا احتمال کے درجہ میں کیونکہ جس بات کا صدق و کذب مشکوک ہو وہ معاملۃً کذب ہی ہے [1] اور جو لوگ بے تحقیق باتیں نقل کرتے ہیں یقیناً وہ شک سے خالی نہیں ہوتے اسی لئے حدیث ((کفی بالمرء کذبا)) ''آدمی کے جھوٹ کے لئے یہ ہی کافی ہے'' میں کذب کا مدار تحقیق کذب پر نہیں رکھا بلکہ عدم تحقیق صدق پر رکھا ہے [2] تو اس قانون کے اعتبار سے میرا ان کو ہر بات میں جھوٹا کہنا صحیح ہے گو واقع میں ان کی کوئی روایت صادق بھی ہو [3] مگر واقع کو کیا خبر ہم تو قانون پر عمل کرینگے۔

## احکام کا مدار شرعی قوانین پر ہے

اور ایک اسی میں کیا انحصار ہے تمام امور کا قانون شرع ہی پر مدار ہے اگر واقع پر مدار ہوا کرے تو کسی کو مومن و کافر کہنا بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ ایمان و کفر کا مدار قلب پر ہے اور دل کی کسی کو کیا خبر بس قانون شرع کے موافق جس کو اسلام کا مدعی [4] دیکھتے ہیں اس کو مسلمان کہتے ہیں اور جس کو افعال کفر و اقوال کفر کا مرتکب

(۱) جس بات کے سچا یا جھوٹا ہونے میں شک ہو معاملہ کے اعتبار سے وہ جھوٹ ہی میں شمار ہوگی (۲) جھوٹے ہونے کا مدار جھوٹ کی تحقیق پر نہیں ہے بلکہ سچ کی تحقیق نہ کرنے پر ہے (۳) ان کی نقل کردہ کوئی بات چاہے سچی بھی ہو (۴) اسلام کا دعوے دار۔

دیکھتے ہیں اسے کافر کہتے ہیں اسی طرح اگر واقع پر مدار رکھا جائے اور قانون شرع کی پابندی ہو تو لڑکوں کو حلالی بھی نہ کہہ سکیں گے کیونکہ واقع کی کسے خبر ہے کہ یہ لڑکا ہمارے ہی نطفہ سے ہے اور بیوی نے خیانت نہیں کی، میرا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ سب عورتوں کو خائن سمجھو بلکہ مطلب یہ ہے کہ یقینی طور پر واقع کا علم دشوار ہے تو اگر اولاد کا حلالی ہونا علم واقع پر موقوف ہو تو بہت کم ایسے ہوں گے جن کو حلالی کہا جائے مگر شریعت نے اس پر مدار نہیں رکھا بلکہ قانون (۱) مقرر کر دیا ہے ((اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ)) جس کے فراش اور جس کے نکاح میں عورت ہے اولاد اسی کی ہے بس اس قانون کے موافق اکثر لڑکے حلالی ہیں اور بہت کم ایسے ہیں جن کا حرامی ہونا ثابت ہو، جب معلوم ہو گیا کہ امور کا واقع پر مدار نہیں بلکہ قانون پر مدار ہے تو اب شریعت جسے کاذب کہہ دے ہمیں جائز ہے کہ اس کو کاذب کہیں حدیث تو میں اوپر بیان کر چکا ہوں اب ایک آیت بھی سن لیجئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑬﴾ ”یہ لوگ اس واقعہ پر چار گواہ کیوں نہیں لائے تو جب یہ گواہ نہیں لائے تو حق تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں“ اسی واقعہ افک میں یہ ارشاد ہے کہ یہ لوگ اس دعوے پر چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب یہ گواہ نہیں لائے تو حق تعالیٰ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔

## منطقی اشکال کا جواب

شاید کسی ”قاضی مبارک“ (۲) پڑھنے والے کو شبہ ہو کہ یہ آیت تو منطق کے خلاف ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک شخص نے کسی کو ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا ہو اور اس وقت کوئی دوسرا دیکھنے والا نہ ہو تو اب یہ شخص اگر اس واقعہ کی حکایت کرے گا تو

(۱) اور یہی مطلب ہے اس مسئلہ فقہیہ کا کہ جس عورت کا خاوند برسوں پردیس میں غائب رہے اور اسکے اولاد ہو جائے تو وہ ثابت النسب ہے معنی یہ ہیں کہ قانون شرعی سے وہ لڑکا اسکا ہے یعنی اس کو حرامی کہنا اور اس عورت کو بدکار کہنا حرام ہے اور اگر وہ شخص پردیس میں مر جائے تو یہ لڑکا اسکا وارث ہوگا ۱۲ ظفر احمد (۲) کتاب کا نام ہے۔

واقع میں صادق ہوگا اور جب واقع میں صادق ہے تو عنداللہ بھی صادق ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا علم مطابق واقع کے ہے۔ حالانکہ اس آیت کی بنا پر عنداللہ وہ کاذب ہے کیونکہ چار گواہ وہ نہیں لاسکا۔

مگر ان معقولی صاحب سے کہا جائیگا کہ تم آیت کا مطلب نہیں سمجھے یہاں عنداللہ کے معنی فِیْ عِلْمِ اللّٰہِ (اللہ کے علم میں) نہیں ہیں بلکہ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ (اللہ کے دین میں) یعنی فی قانون اللّٰہ (اللہ کے قانون میں) مراد ہے مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دعویٰ زنا میں چار گواہ نہ پیش کرسکے تو وہ قانون خدا میں جھوٹا ہے گو واقع میں سچا ہو یعنی اس کے ساتھ معاملہ کاذب کا سا کیا جائے گا تو اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کا گو واقع میں کاذب ہونا متحقق نہ ہو مگر وہ قانون روایت کے موافق کاذب ہو تو اُسے کاذب کہنا جائز ہے خواہ وہ (عِنْدَاللّٰہِ بِمَعْنیٰ فِیْ عِلْمِ اللّٰہِ وَفِی الْوَاقِعِ) ''عنداللہ معنی فی علم اللہ کے ہے واقع میں ہے'' صادق ہی ہو رہا یہ کہ روایت کا قانون [1] کیا ہے اور ثبوت کا طریقہ کیا ہے اس کو علماء سے پوچھو اس میں تفصیل ہے جس کی اس وقت گنجائش نہیں۔

## عوام کا طریقہ ثبوت احکام

لیکن عوام کا طریقہ ثبوت عجیب ہے چنانچہ ایک دفعہ چاند کی گواہی کے لئے ایک مسلمان بالغ اور ایک بچہ اور ایک بھنگی میرے پاس بھیجا گیا کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے بس عوام کے نزدیک ان لوگوں کی گواہی ثبوت ہلال کی کافی تھی مگر یہ تو عید میں کافی تھی اور رمضان کے چاند میں اگر گاؤں کے دو چار مسلمان بھی گواہی دیں تو اس پر یوں کہتے ہیں کہ میاں دیکھو لنگوٹہ باندھنے والوں کی گواہی پر فتویٰ دے دیا۔

غرض ان کے اصول سب سے نرالے ہیں کہیں تو کافروں کی بھی گواہی قبول ہے اور کہیں دیندار مسلمانوں کی بھی قبول نہیں سو یہ طریقہ ثبوت کے لئے کافی نہیں۔

---

(۱) بات نقل کرنے کا ضابطہ کیا ہے۔

## گفتگو میں احتیاط کی ضرورت

بلکہ شرعی طریقہ سے تحقیق کرنی چاہیئے اور بدون تحقیق کے کبھی کوئی بات نہ کہنی چاہیئے چونکہ آج کل سارے گناہوں میں اس کا وقوع زیادہ ہے اس لئے میں نے اس کو اختیار کیا چنانچہ آپ دیکھ لیں گے کہ ہمارے جلسے عموماً دوسروں کے تذکروں سے بھرے ہوتے ہیں (۱) اور وہ بھی برائی سے بھرے ہوتے ہیں کسی کی بھلائی تو بہت ہی کم کرتے ہیں اور اگر کبھی بھلائی ہی سے تذکرہ کرینگے تو اس میں بھی احتیاط نہیں کرتے مثلاً مریدین کا مجمع ہوگا اور اپنے شیخ کی یا اور کسی بزرگ کی تعریف کرینگے تو عام طور پر یوں تعریف کی جاتی ہے کہ فلاں صاحب بڑے ولی ہیں اور مقبول بارگاہ الٰہی ہیں یہ نہایت سخت بات ہے تم کو کیا خبر ہے کہ اِس شخص کو خدا نے قبول کیا ہے یا نہیں؟ تو بلا تحقیق خدا پر حکم لگاتے ہو اسی طرح ولی کہتے ہیں خدا تعالیٰ کے دوست کو۔ تمہیں کیا خبر کہ یہ شخص خدا کا دوست ہے یا نہیں؟ یہ الفاظ خلاف احتیاط ہیں ہاں درویش اور شیخ یا عارف طریق اور صالح و متقی کہنا جائز ہے کیونکہ صلاح و تقوی کا مدار اعمال صالحہ پر ہے اس کا علم ہم کو اعمال سے ہوسکتا ہے اسی طرح شیخ اور درویش اور عارف اُسے کہتے ہیں جو امراضِ نفس سے واقف ہو اور ان کا علاج صحیح طور پر کرسکتا ہو یہ بھی اس کے طریق تربیت کو دیکھ کر معلوم ہوسکتا ہے لیکن ولایت یا مقبولیت کا حال نہیں معلوم ہوسکتا (اس لئے جزم کے ساتھ اس کا حکم نہ لگانا چاہیئے اگر ایسا ہی شوق ہو تو یوں کہے کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ شخص ولی یا مقبول ہے یا میں اس کو ایسا سمجھتا ہوں یہی مضمون حدیث میں مصرح ہے ۱۲ ظ)۔

## بزرگوں کی احتیاط

اہل ورع نے کسی کو ولی یا مقبول کہنے سے نہایت احتیاط کی ہے اور اسی

(۱) چند دوست مل کر بیٹھے تو دوسروں کی غیبت شروع۔

اصل پر کہ قانون شرعی ظاہر پر ہے بعض بزرگوں نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ تقریباً پچاس ساٹھ برس کی بات ہے کہ مکہ میں جب حرم میں اسلامی فوج کے لئے دعا کی جاتی اور (اَللّٰهُمَّ انْصُرْ عَسَاكِرَ الْمُوَحِّدِيْنَ) ''اے اللہ مدد کر موحدین کے لشکروں کی'' کہا جاتا تو اُس وقت وہاں ایک بزرگ تھے وہ اس پر آمین نہ کہتے تھے کیونکہ موحد کہتے ہیں توحید کے قائل کو خواہ رسالت کا قائل ہو یا نہ ہو وہ فرماتے تھے کہ عساکر المسلمین کہنا چاہیئے اس کی بناء یہی تھی کہ جب ایک شخص توحید ظاہر کرتا ہے تو موحدین میں داخل ہے خواہ توحید اس کی بوجہ انکار رسالت کے مقبول نہ ہو اس لئے وہ اس پر آمین کہنے سے احتیاط کرتے تھے۔ تو بزرگوں نے تو بھلائی میں بھی احتیاط کی ہے کہ غیر اہل کے لئے بھلائی کی بھی درخواست نہ ہو۔

## ہم لوگوں کی بے احتیاطی کا انجام

مگر افسوس کہ ہم لوگ بُرائی میں بھی احتیاط نہیں کرتے اگر آپ سے بھلائی میں احتیاط نہ ہوسکے برائی میں تو احتیاط بہت ضروری ہے کیونکہ تعریف یا دعا میں بے احتیاطی کرنے سے تو خدا تعالیٰ کا گناہ ہوگا تو وہ توبہ و استغفار سے معاف ہوسکتا ہے اور بُرائی میں بے احتیاطی کرنے سے حق اللہ کے ساتھ حق العباد بھی متعلق ہوگا جو بہت سخت ہے کیونکہ یقین غالب بندہ بدون نیکیاں لئے کب معاف کرنے لگا۔ میں زبان کے گناہوں کی کہاں تک تفصیل کروں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے زبان کے متعلق بیس گناہ لکھے جس کو تفصیل کا شوق ہو ''احیاء العلوم'' دیکھ لے۔

## بحث ومباحثہ میں بے احتیاطی

منجملہ اُن گناہوں کے ایک بحث ومباحثہ بھی ہے۔ یعنی اپنی بات غالب کرنے کے لئے گو وہ حق بھی نہ ہو یہ مرض آجکل اہل علم میں بہت ہے کہ ایک دفعہ

زبان سے کوئی بات نکل جائے تو پھر اُس کی پچ ہو جاتی ہے [۱] اور مناظرہ مباحثہ کی نوبت آتی ہے پھر ہم نے کبھی نہیں سنا کہ فریقین میں سے کسی نے اپنی بات سے رجوع کیا ہو حالانکہ دونوں میں سے ایک ضرور ناحق ہوتا ہے بعض لوگ تو یہاں تک غضب کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غلط فتویٰ قلم سے نکل گیا تو عمر بھر اُسی پر جمے رہے اور اُس کی تاویلیں کرتے رہے، چنانچہ ایک شخص نے رضاعت کے مسئلہ میں غلطی کی اور غلط مسئلہ چھاپ دیا علماء نے اس پر گرفت کی کہ جواب غلط ہے تو مفتی صاحب نے اپنے فتوے کی تائید میں ایک رسالہ لکھا اور اپنے استاد کے پاس دستخط کے لئے لے گئے تو مفتی صاحب کے اُستاد نے بھی کہا کہ یہ جواب تو غلط ہے میں اس پر کیونکر دستخط کردوں، تو آپ کہتے ہیں کہ حضرت واقعی غلطی تو ہوگئی مگر آپ دستخط کردیں تا کہ میری بات رہ جائے استاد نے انکار کردیا اور اس مفتی کو ملامت کی کہ بعد حق واضح ہونے کے بھی تو غلطی پر جما ہوا ہے مگر اُس نے ایک نہ سنی اور وہ رسالہ غلط مسئلہ کی تاویل میں شائع کر ہی دیا ان کے استاد حالانکہ معقول اور پوربی اور مسلک میں ہمارے مخالف ہیں مگر اُن کی طبیعت میں انصاف ہے ایک بار ایک شخص اُن کے پاس ایک سوال لایا کہ اس پر جواب لکھ دیجئے کہنے لگے میں تو فتویٰ لکھتا نہیں کسی دوسری جگہ لکھوالو لیکن اگر ایمان کا مسئلہ پوچھنا چاہو تو گنگوہ تھانہ بھون سے منگاؤ اور بے ایمانی کا فتویٰ چاہو تو یہاں کے مولویوں سے پوچھ لو۔ اور بے ایمانی فتویٰ میں یہی ہے کہ مفتی کو اپنی بات کی پچ ہو ایسے شخص کے فتوے پر کچھ اعتماد نہیں قابل اعتماد وہ شخص ہے جو ایک بچہ کے کہنے سے بھی اپنی رائے کو چھوڑ دے اگر وہ بچہ حق پر ہو۔

## ائمہ مجتہدین کا حال

حضرات ائمہ مجتہدین پر جو امت کو اعتماد ہے وہ اسی لئے ہے کہ ان کو بات کی

---

(۱) ضد ہو جاتی ہے۔

پچ نہ تھی وہ ہر وقت اپنی رائے سے رجوع کرنے کو تیار تھے جب بھی ان کو اپنی رائے کا غلط ہونا واضح ہو جائے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مسائل میں رجوع کیا ہے (ایسے ہی امام مالک نے اور امام شافعی کا تو مذہب ہی مصر جا کر بدل گیا اسی لئے قریب قریب ہر مسئلہ میں ان کے دو قول ہوتے ہیں جدید و قدیم کما ھو معلوم ۱۲ ظ) اور یہ مرض بات کی پچ کرنے کا تواضع سے زائل ہوتا ہے اور تواضع محض کتابیں پڑھنے سے نہیں حاصل ہوتی بلکہ اسکا طریقہ یہ ہے کہ جس کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار و مردِ حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

یعنی تواضع حال سے پیدا ہوتی ہے اور حال کسی کامل کی جوتیاں سیدھی کرنے سے حاصل ہوتا ہے پس تواضع حاصل کرو اور اپنی بات غالب کرنے کے لئے مباحثہ کبھی نہ کرو۔

## زبان کے گناہوں سے بچنے کی تدابیر

ایک گناہ زبان کے متعلق یہ ہے کہ کسی کو کوسا جائے یا کسی کو طعنہ دیا جائے یا اُس کے عیب کو جتلایا جائے، میں سب کی تفصیل کہاں تک بیان کروں بس آسان طریقہ یہ ہے کہ جو بات زبان سے نکالو اول اس کے متعلق فتویٰ لو اگر جواب یہ آئے کہ جائز نہیں تو مت کہو۔ عامی کو تو زیادہ تر تردد ہی ہوگا اس کو چاہیئے کہ تردد کی حالت میں رُک جائے پھر پوچھ کر کہے اس میں دو نفع ہونگے اول تو علوم بڑھیں گے دوسرے آسانی کے ساتھ زبان کے گناہ چھوٹ جائیں گے۔

یہ تدبیر تو صدور کے قبل ہے اگر اتفاق سے کوئی گناہ زبان سے صادر ہو گیا ہو تو اس کے تدارک میں غفلت نہ کرو اگر غفلت کی تو حدیث میں آیا ہے کہ ایک گناہ سے دل پر سیاہ داغ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر توبہ کر لی تو وہ مٹ جاتا ہے ورنہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ تمام دل سیاہ ہو جاتا ہے پھر ایسی بے حیائی بڑھ جاتی ہے کہ توبہ کی

توفیق بھی نہیں ہوتی اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''ہرگز ایسا نہیں بلکہ (اصل وجہ ان کے تکذیب کی یہ ہے) کہ ان کے دلوں پر اعمال بد کا رنگ بیٹھ گیا ہے'' اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

ہر گناہ زنگے ست بر مرآۃ دل　　دل شود زیں زنگ ہا خوار و خجل

چوں زیادت گشت دل را تیرگی　　نفسِ دوں را بیش گردد خیرگی

''ہر گناہ دل کے آئینہ پر ایک زنگ ہے کہ اس زنگ کی وجہ سے دل ذلیل وشرمندہ ہے جب گناہوں کی دل پر سیاہی زیادہ ہو جاتی ہے تو نفس کمینہ میں خیرگی زیادہ ہو جاتی ہے'' اس لئے اگر گناہ صادر ہو جائے تو غفلت نہ کرنا چاہیئے فوراً توبہ کرو۔

## توبہ کرنے کا طریقہ اور اس کا فائدہ

اور توبہ بھی اس قاعدہ سے کرو جو حدیث میں آیا ہے کہ اول دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھے اس کے بعد توبہ کرے اس میں یہ مصلحت تو ظاہر ہی ہے کہ ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ نیکیاں گناہوں کو زائل کرتی ہیں۔

دوسرا فائدہ یہ بھی ظاہر ہے کہ نماز کے بعد توبہ کرنے میں دل حاضر ہوگا اور قبول توبہ کے لئے حضورِ قلب نہایت ضروری ہے کیونکہ حدیث میں ہے: ((ان اللّٰہ لا یقبل الدعاء من قلب لاہ))(۱) اللہ تعالیٰ غافل دل سے دعا قبول نہیں فرماتے۔

تیسرا فائدہ عقلی یہ ہے کہ اس طرح توبہ کرنے سے نفس گناہوں سے گھبرا جائے گا کیونکہ نفس کو نماز بہت شاق ہے روزہ اتنا شاق نہیں چنانچہ اب رمضان قریب آرہا ہے روزہ رکھنے والے تو بہت نظر آئیں گے تراویح پڑھنے والے بہت کم ملیں گے، کانپور میں ایک شخص تراویح پڑھ کر مسجد سے نکلا تو کہنے لگا کہ تراویح

---

(۱) مشکوۃ المصابیح:۱۵۶۔

کیا ہے قرنطینہ ہے اس لئے آج کل کے نئے حکماء عقلاء نے یہ حرکت نکالی ہے کہ امام جب تراویح کے لئے اللہ اکبر کہتا ہے اس وقت نماز میں شریک نہیں ہوتے بلکہ بیٹھے رہتے یا لیٹے رہتے ہیں جب وہ رکوع میں جانے لگتا ہے اس وقت جلدی سے آکر شریک ہوجاتے ہیں پھر دوسری رکعت میں تو مجبوراً بندھے ہوئے کھڑے رہتے ہیں۔ اگران کے اختیار میں نماز ہوتی تو شاید دوسری رکعت میں بھی لیٹ جایا کرتے مگراس طرح کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اس لئے مجبور ہیں۔

غرض نماز نفس پر بہت گراں ہے تو جب ہر گناہ کے بعد دو رکعت پڑھنا اپنے ذمہ لازم کرلوگے تو نفس گناہوں سے گھبرا جائے گا کہ یہ کہاں کی علت سر لگی بلکہ شیطان بھی گناہ کرانا چھوڑ دیگا کیونکہ وہ دیکھے گا کہ میں اس سے دس گناہ کراؤں گا تو یہ بیس رکعتیں پڑھے گا گناہ تو توبہ سے معاف ہوجائے گا اور یہ بیس رکعتیں اس کے پاس نفع میں رہیں گی اس لئے وہ گناہ کرانا ہی چھوڑ دے گا کیونکہ وہ نقصان کے لئے گناہ کراتا تھا جب گناہ میں بھی نفع ہونے لگا تو وہ ایسا بیوقوف نہیں کہ آپ کا نفع کرائے وہ گناہوں کا خطرہ ڈالنا ہی چھوڑ دے گا تاکہ تم اتنی رکعتیں نہ پڑھ سکو۔

## امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فراست

اس پر مجھے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لطیفہ یاد آیا کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا کہ میں نے گھر میں روپیہ دفن کیا تھا مگر اب یہ موقعہ یاد نہیں آتا بہت پریشان ہوں سارے گھر کو کھودوں تو اس میں مشقت ہے کوئی تدبیر بتایئے کہ موقعہ یاد آجائے، امام صاحب نے اول تو انکار کیا کہ بھائی یہ تو کوئی شرعی مسئلہ نہیں جس کا میں جواب دوں، مگر اس شخص نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ آج کو یہ نیت کرلو کہ جب تک یاد نہ آئے گا اس وقت تک نفلیں ہی پڑھتا رہونگا چاہے صبح ہی کیوں نہ ہوجائے ان شاء اللہ یاد آجائے گا، چنانچہ اُسی نیت سے نماز شروع کی

دوسری ہی رکعت میں موقعہ یاد آگیا اور جلدی سے سلام پھیر کر روپیہ نکال لیا، صبح کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے واقعہ بیان کیا کہ حضرت مجھے تو دوسری ہی رکعت میں یاد آگیا کچھ زیادہ نفلیں بھی نہیں پڑھنا پڑیں، فرمایا یہ شیطان نے بھلایا تھا یہ اُس کو کب گوارا تھا کہ تم رات بھر نماز پڑھو اس لئے اُس نے جلدی ہی یاد دلا دیا مگر تم کو چاہیئے تھا کہ اس کے بعد بطور شکریہ کے اور شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے تمام رات نماز پڑھتے رہتے، اور جو سہو طبعی (۱) ہو اس کا یہ علاج نہیں واقعی تفقہ بھی عجیب چیز ہے کسی کا بڑا پاکیزہ شعر ہے ۔

فـان فـقيهـا واحـدا متـورعـا اشد على الشيطان من الف عابد

''ایک پرہیزگار عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے''

شیطان کی چالوں کو عارفین خوب سمجھتے ہیں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب سمجھا کہ یہ جو دفن کر کے بھول گیا ہے اس کو شیطان نے بھلایا ہے وہ اس کو پریشان کرنا چاہتا ہے اس لئے آپ نے ایسی تدبیر بتلائی جس سے شیطان جلدی سے بتلادے کیونکہ اس کو نماز گوارا نہیں اسی لئے یہ نماز میں وساوس بہت زیادہ ڈالتا ہے دنیا بھر کی باتیں نماز ہی میں یاد دلاتا ہے واللہ بڑی شرم آتی ہے کہ دو جگہ بہت وساوس آتے ہیں ایک بیت الخلا میں دوسرے نماز میں۔ بیت الخلاء شعراء کے لئے بہت مناسب جگہ ہے وہاں بیٹھ کر مضامین خوب ذہن میں آتے ہیں شاعروں کیلئے بیت الخلاء فرحت خانہ ہے جیسا کبھی ظالموں کے لئے جیل خانہ بھی ہوجاتا ہے۔

## بداخلاقی کی عجیب سزا

چنانچہ ریل میں ایک عہدہ دار شخص نہایت بدخلق بدزبان سفر کر رہا تھا کئی آدمیوں کی جگہ گھیر رکھی تھی مسافروں کو اُس سے بہت تکلیف تھی بے چارے کھڑے کھڑے جا رہے تھے کسی کو جگہ نہ دیتا تھا اتفاق سے اس کو بیت الخلاء جانے کی حاجت ہوئی۔ جب اس نے اندر کی چٹخنی لگائی تو نہ معلوم کس طرح سے لگ گئی کہ پھر کھل نہ سکی

(۱) کسی کا طبعی طور پر حافظہ کمزور ہو پھر وہ کوئی چیز رکھ کر بھول جائے تو اس کا یہ علاج نہیں ہے۔

اب آپ اندر قید ہو گئے جب نکلنے لگا تو کواڑ نہ کھل سکے اول تو زور لگاتا رہا مگر جب دیر ہو گئی تو مسافروں کی خوشامد کرنے لگا لوگوں نے کہا بس تمہاری یہی سزا ہے کہ اندر بند رہو تم لوگوں کو بہت تنگ کر رہے تھے غیب سے تم کو قید کیا گیا ہے۔ آخر کار غریب نے منت سماجت کی کہ اب کسی کو کچھ نہ کہوں گا جب خوب پختہ عہد لے لیا تب کواڑ کھولا اس کے بعد بے چارہ شرمندہ ہو کر تختہ کے ایک کنارہ پر خاموش بیٹھ گیا۔

## نماز میں وساوس آنے کی وجہ

غرض ہم کو ایک تو پاخانہ میں بہت وساوس آتے ہیں اور ایک نماز میں، اور اس کا ایک راز ہے ورنہ ظاہر میں تو اس حالت سے سخت افسوس ہوتا ہے کہ ہماری حالت نماز میں وہ ہے جو بیت الخلاء میں ہوتی ہے مگر راز معلوم کرنے کے بعد زیادہ وحشت نہ رہے گی گو حالت وہ بھی اچھی نہیں، راز یہ ہے کہ وساوس اُس کام میں آیا کرتے ہیں جسکے کرنے میں سوچ اور فکر کی ضرورت نہ ہو دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ جس کام کی خوب مشق ہو۔ کیونکہ مشق کے بعد وہ کام تو خود بخود ہوتا رہے گا۔ قلب کو اُدھر متوجہ ہونے کی ضرورت نہ ہوگی اب لامحالہ وہ کسی دوسری طرف متوجہ ہوگا تو ہم کو جیسی پاخانہ کی مشق ہے کچھ سوچنا نہیں پڑتا ایسی ہی نماز کی مشق ہے جس میں کچھ سوچنا نہیں پڑتا بلکہ جہاں تکبیر کہی فوراً گھڑی کی سوئی کی طرح زبان چلنے لگی گویا تکبیر کہنا کوک بھرنا ہے[1] اس کے بعد گھڑی خود چلتی رہے گی اسی لئے اکثر لوگ ہر نماز میں دو چار سورتیں ہی ہمیشہ پڑھتے ہیں کیونکہ وہ زبان پر چڑھی ہوئی ہیں جو قل ھو اللہ، انا اعطینا، لایلف، والعصر ہی کے اندر اندر محدود ہیں اور یہ اس لئے تجویز کی ہیں کہ ان سے چھوٹی اور کوئی نہیں اگر کوئی سورت ان سے بھی چھوٹی ہوتی تو اسی کو تجویز کرتے، چنانچہ ایک شخص ہر نماز میں صرف قل ھو اللہ پڑھا

(۱) گھڑی میں چابی بھرنا ہے۔

کرتا تھا کسی نے اس کا سبب پوچھا کہ ہر نماز میں قل ھو اللہ ہی کیوں پڑھتے ہو؟ کہنے لگا اس لئے کہ اس سے چھوٹی کوئی سورت نہیں ورنہ اُسے پڑھتا۔

غرض نماز میں سب کام بے سوچ ہوتے ہیں اس وجہ سے نماز میں وسوسے زیادہ آتے ہیں۔

## وساوس سے بچنے کا طریقہ

اگر نماز کو بے فکری اور مشق سے نہ پڑھا جائے بلکہ ہر لفظ کو توجہ اور ارادہ سے نکالا جائے تو پھر وسوسے بہت کم آئیں بلکہ چند روز میں آنا ہی بند ہو جائیں البتہ اس طریق میں گرانی ضرور ہے وجہ یہ کہ توجہ اور فکر سے کام کرنا نفس پر گراں ہوتا ہے اس لئے ایسی نماز بہت گراں ہے لیکن اگر اس ثقل کو (۱) دور کرنا چاہو تو اس کے متعلق سلوک (۲) قرآن سے سیکھو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ نماز واقعی گراں ہے مگر خاشعین پر گراں نہیں۔ خشوع کے معنٰی ہیں قلب کا یکسو ہونا سو ظاہر ہے کہ جس شخص کو یکسوئی قلب حاصل ہوگی اُسے نماز گراں نہ ہوگی کیونکہ گرانی کا منشاء تو یہی ہے کہ نفس آزاد رہنا چاہتا ہے اور نماز میں بہت پابندی ہے تو جس کا قلب پہلے سے پابندی اور یکسوئی کا عادی ہو اس پر گرانی نہ ہوگی۔

## نماز میں خشوع کے حصول کا طریقہ

اب یہ سوال رہا کہ خشوع کیونکر حاصل ہو اس کا طریقہ بھی حق تعالیٰ نے اسی جگہ بتلایا ہے: ﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾

"جن لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ملیں گے اور بلاشک وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں"

جس کا حاصل یہ ہے کہ لقاءِ رب کا اعتقاد حاصل کرو (۳) اس سے خشوع پیدا ہوگا مگر

---

(۱) بوجھ (۲) طریقہ (۳) اللہ سے ملنے کا یقین حاصل کرو۔

اعتقاد سے مراد یہ ہے کہ ہر وقت اس کا استحضار رکھو جب ہر وقت اس کا استحضار رہے گا تو قلب میں دوسرے خیالات کم آئیں گے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ نفس ایک وقت میں دو باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ کسی بات کی طرف بھی متوجہ نہ ہو اس لئے نفس کو ایسے خیال میں مشغول کرو جو نماز کے مناسب ہو منافی نہ ہو[1] اور وہ یہی خیال ہے لقاء رب (اللہ سے ملنے) کا کیونکہ نماز میں بھی حق تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوتی ہے تو جس کے دل میں یہ خیال جما ہوا ہوگا اس کو نماز گراں نہ ہوگی مگر ظاہر ہے کہ ایسے لوگ کم ہیں زیادہ حالت تو یہی ہے کہ لوگوں پر نماز گراں ہے خصوصاً نفل نماز کہ یہ تو فرض سے بھی زیادہ گراں ہے۔

## نماز گناہوں سے روکنے کا بہترین ذریعہ ہے

چنانچہ مجھے خود اپنا واقعہ یاد ہے کہ پہلے تو بہت نفلیں پڑھا کرتا تھا مگر جب سے ''منیة المصلی'' میں یہ پڑھا کہ نفل و مستحب کے معنی یہ ہیں کہ کرو تو ثواب ہے اور نہ کرو تو گناہ نہیں، اس دن سے نفلیں کم ہوگئیں اب اگر ہر گناہ کے بعد دو رکعت نفل لازم کرلو گے تو بوجہ مؤنتِ نفل (نفل کی مشقت) کے نفس گناہ سے ایسا گھبرائے گا جیسا ایک معقولی طالب علم فرض نماز سے گھبراتا تھا۔ یہ طالب علم مدرسہ دیوبند میں نیا نیا آیا تھا۔ یہاں جو نماز کی پابندی دیکھی کہنے لگا کہ ہم نے تو یہ سنا تھا کہ نماز اول اول پچاس وقت کی مشروع ہوئی تھی پھر بعد میں پانچ وقت کی رہ گئی مگر دیوبند کے مدرسہ میں تو پورے پچاس ہی وقت کی فرض ہے بس جہاں نماز پڑھ کے آئے تھوڑی دیر میں پھر تقاضا ہے کہ چلو نماز کو۔ تو جیسے وہ نماز سے گھبراتا تھا ایسے ہی آپ گناہ سے گھبرا جائیں گے کہ یہ کہاں کی مصیبت سر پر پڑی کہ ہر گناہ کے بعد دو رکعت پڑھو۔

---

(۱) خلاف نہ ہو۔

## گناہوں کو چھوڑانے والا شیخ

لیجئے میں آپ کو ایسا شیخ بتلاتا ہوں جو بہت جلد گناہوں کو چھوڑا دے گا جہاں تم نے اللہ اکبر کہا اور وہ شیخ حاضر ہوگیا۔ نماز کا ناہی عن المنکر (برائیوں سے روکنے والی) ہونا اگرچہ بہت طریقہ سے ہے مگر اس طور سے بھی نماز ناہی عن المنکر ہوجائے گی کہ تم ہر گناہ کے بعد دو رکعت لازم کرلو۔ لیجئے میں نے ایسی بات بتلائی ہے جس میں نہ مجاہدہ ہے نہ کچھ مشقت ہے ایسا نسخہ ہے جس کو سب استعمال کرسکتے ہیں مگر بعض کا نفس بڑا شریر ہوتا ہے دو رکعت سے اس کو فائدہ نہ ہوگا۔ سو اگر کسی کو دو رکعت کافی نہ ہوں تو وہ ہر گناہ کے بعد چار پڑھا کرے چار بھی کافی نہ ہو تو، آٹھ پڑھا کرو۔

## حکایت

جیسے ایک حکیم صاحب کی حکایت ہے کہ وہ گاؤں میں گئے تو ایک دیہاتی کو دیکھا کہ وہ چنے کی چار روٹیاں موٹی موٹی کھا کے اوپر سے چھاچھ کا پورا بنٹا پی گیا(۱) حکیم صاحب نے کہا ارے چھاچھ کو درمیان میں پیا کرتے ہیں اخیر میں نہیں پیا کرتے دیہاتی نے اپنے لڑکے کو آواز دی ارے فلانے چار روٹ (۲) اور لیا (لے آ ۱۲ ظ) اس چھاچھ کو بیچ میں کرلوں۔ چنانچہ چار روٹ اوپر سے اور کھا گیا۔ حکیم نے کہا بھائی تیرے واسطے کچھ قاعدہ نہیں تو چاہے بیچ میں پی چاہے اخیر میں۔ بتلایئے ایسے قوی المعدہ کو اگر کوئی مسہل دینا چاہے تو چھ ماشہ سنا کیا کافی ہوگی (۳) اس کو تو دو تولہ سنا دینا چاہیئے۔ ایسے ہی ہمارے نفس کو دو رکعت کہاں کافی۔

---

(۱) لسی کا بھرا ہوا مٹکا پی گیا (۲) موٹی موٹی چار روٹیاں اور لے آؤ (۳) ایسے مضبوط معدے والے کو اگر دستوں کی دوا کی ضرورت ہو تو اس کو چھ ماشہ سنا جیسی دست آور دوا کیا کام دے گی۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز کردہ نسخہ

مگر میں اس وقت یہ کہتا ہوں کہ آپ دو ہی رکعت پڑھنا شروع کیجئے ان شاء اللہ اس سے بھی گناہ چھوٹ جائیں گے ورنہ کم تو ہو ہی جائیں گے بتلائیے کتنا آسان نسخہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ایسی ہیں کہ ان کو استعمال کر کے دیکھو خود اُن کی قدر جان لو گے اتنی تفصیل تو میں نے بیان کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف اتنا فرمایا ہے کہ گناہ کر کے توبہ کرنا چاہو تو دو رکعت پہلے پڑھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے منافع کی تفصیل نہیں بتلائی کیونکہ جہاں شک ہو وہاں تفصیل بیان کیا کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اعتماد تھا کہ عمل کر کے اس کا نفع لوگ خود ہی دیکھ لیں گے اس لئے تفصیل نہیں بتلائی۔

## شرعی احکام کی خوبصورتی

اور میں نے جو تفصیل بھی کی ہے تو کیا کی ہے نام ہی ہو گیا تفصیل کا ورنہ پوری تفصیل ایسی چیز کی کون کر سکتا ہے جس کے حُسن کی یہ شان ہو۔

نہ جنبش غایتے دارو نہ سعدی راسخن پایاں بمیر د تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

"نہ ان کے حسن کی کوئی انتہا ہے نہ سعدی کے کلام کی کوئی انتہا ہے جیسے جلندہر والا پیاسا مر جاتا ہے اور دریا باقی رہ جاتا ہے ایسے ہی محبوب حقیقی کا بیان باقی رہ گیا"

اور یہ شان ہو۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

"سر سے قدم تک جس جگہ دیکھتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ ہے"

اور یہ شان ہو ۔

گلچیں بہار تو زداماں گلہ دارد  داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار

’’نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول بہت ہیں تیری بہار کا پھول چننے والا تنگی دامن کا شاکی ہے‘‘

اسی لئے جن پر کچھ اسرار منکشف ہوجاتے ہیں وہ یوں کہنے لگتے ہیں ۔

حسن ایں قصہ عشق ست در دفتر نمی گنجد  قلم بشکن سیاہی ریزو کاغذ سوز دم درکش

’’قلم توڑ روشنائی بکھیر کاغذ کو جلا اور خاموش رہ حسن یہ عشق کا قصہ ہے جو دفتر میں نہیں سما سکتا‘‘

صاحبو! اگر کوئی حسین ایسا ہو جو قدرتی حسین نہ ہو بناؤ سنگھار سے حسین ہوگیا اس کے حسن کی تفصیل تو ہم بیان کرسکتے ہیں مگر جو شخص قدرتی حسین ہو اس کے حسن کی تفصیل نہیں ہوسکتی بلکہ وہاں تفصیل کرنا تو لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا کا مصداق ہے قدرتی حسین کی تو شان یہ ہوتی ہے ۔

یزیدك وجهه حسنا  اذا ما زدته نظرا

’’اس محبوب کے چہرہ پر جس قدر زیادہ نظر کروگے اسی قدر اس کے چہرہ پر حسن زیادہ معلوم ہوگا‘‘

کہ جوں جوں نظر کرو اسی قدر حسن بڑھتا جاتا پھر بناوٹی حسینوں کی خوبیاں بیان کرکے جب قدرتی حسین کا حال کوئی پوچھے گا تو یوں کہا جائیگا ۔

دلبرِ ماست کہ حسن خدا داد آمد  دلفریباں نباتی ہمہ زیور بستند
اے خوشا سروکہ ناز بندِ غم آزاد آمد  زیر بارند درختاں کہ ثمر ہا دارند

"دل فریباں نباتی زیور متعارف سے مزین ہیں ہمارے محبوب میں حسن خداداد ہے پھل دار درخت زیر بار ہیں سرو بہت اچھا ہے کہ ہر غم سے آزاد ہے"

## حسنِ یوسف علیہ السلام کا اظہار

حضرت زلیخا نے جب زنانِ مصر کی باتیں سنیں کہ وہ ان کو عشق یوسف میں ملامت کرتی ہیں تو آپ نے ان کے سامنے یوسف علیہ السلام کا سراپا بیان نہیں کیا کیونکہ اس سے حجت قائم نہ ہوتی بلکہ یہ کیا کہ اول عورتوں کو دعوت دی اور یوسف علیہ السلام کو اندر رکھا جب وہ سب چاقو ہاتھ میں لے کر امرود و نارنگی وغیرہ کاٹنے میں مشغول ہوئیں اس وقت یوسف علیہ السلام سے کہا ﴿اُخْرُجْ عَلَیْهِنَّ﴾ باہر آجاؤ ﴿فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ﴾ عورتوں کی ان پر نظر پڑی تو مبہوت ہوگئیں اور بجائے امرود وغیرہ کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اب زلیخا کی حجت تمام ہوئی اور فرمایا کہ دیکھ لو یہی ہے جس کے عشق پر تم ملامت کرتی تھیں، اس مقام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عجیب شعر ہے فرماتی ہیں ؎

لواحی زلیخا لو رأین جبینہ لا ثرن بالقطع القلوب علی الایدی

"یعنی اگر وہ عورتیں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھ لیتیں تو بجائے ہاتھوں کے اپنے دل و جگر کو پھاڑ ڈالتیں۔ اسی طرح شریعت کا حسن بناوٹی نہیں ہے بلکہ اُس میں قدرتی حسن ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کے اسرار پوری طرح بیان میں نہیں آسکتے بس جس کو اسرار معلوم کرنے ہوں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرکے دیکھے کیونکہ علم اسرار کے لئے نور قلب کی ضرورت ہے اور نور کے لئے عمل کی ضرورت ہے جب تم عمل کروگے تو پھر یہ حال ہوگا ؎

بینی اندر خود علوم انبیا بے کتاب و بے معید واوستا

"اپنے اندر بے کتاب اور بغیر معین واستاد کے انبیاء جیسے علوم پاؤ گے"
عمل کے بعد یہ علوم واسرار خود اپنے اندر پاؤ گے کر کے دیکھو کہ حضور ﷺ کے اقوال میں کیا کیا حکمتیں ہیں۔ جب تم ہر گناہ کے بعد دو رکعت پڑھنے کا التزام کرو گے اور اسکا نفع دیکھو گے اس وقت کہو گے کہ واقعی حضور ﷺ نے کیسی مفت دولت سے گناہ جیسی سنگین بیماری کا علاج فرمایا ہے۔

## گناہوں سے بچنے کا قاعدہ کلیہ

بس اب زیادہ تفصیل کا وقت نہیں رہا میں اُس قاعدہ کلیہ کو پھر دوہراتا ہوں جو درمیان میں بیان کیا تھا اور اسی پر ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ زبان کے گناہوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ بات سے پہلے سوچ لیا کرو بے سوچ بات نہ کیا کرو اور اگر غلطی سے گناہ ہو جائے تو فوراً دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔ اور یہ علاج کوئی زبان ہی کے گناہوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام گناہوں کا علاج ہے۔

## زبان کی عبادتیں

اب میں یہ چاہتا ہوں کہ جہاں میں نے زبان کے گناہوں کو بیان کیا ہے وہاں کچھ مختصر طور پر عبادات لسان کو بھی بیان کردوں تاکہ علاج مکمل ہو جائے کیونکہ پرہیز کے ساتھ کوئی غذا ایسی بھی تو بتلانی چاہیئے تو زبان کے گناہوں سے پرہیز کرنے کے ساتھ آپ کو چاہیئے کہ زبان کو عبادت میں مشغول کریں جس کی دو قسمیں ہیں ایک عبادت لازمی جس کا اثر اور نفع اپنی ہی ذات تک رہتا ہے دوسرے عبادت متعدی جس کا اثر و نفع دوسروں کو بھی پہنچتا ہے زبان کی عبادت لازمی تو یہ ہے کہ اکثر اوقات اس کو ذکر اللہ اور تلاوت قرآن میں مشغول رکھو جس کو جو آسان ہو اور عبادت متعدی یہ ہے کہ دوسروں کو نیک کام کی نصیحت کیا کرو اگر کہیں کوئی دین کا کام ہو رہا ہو تو لوگوں کو اس میں

شرکت وامداد کی ترغیب دیا کرو اس عبادت میں اس وقت میں بھی شرکت کرنا چاہتا ہوں اور آپ کو ایک نیک کام کی ترغیب دیتا ہوں وہ یہ کہ اس مدرسہ کے حالات آپ سن چکے ہیں یہاں دین کا کیسا بڑا کام ہورہا ہے تو آپ کو مدرسہ کی امداد کرنی چاہیئے اور اس کی ترقی کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ ہماری حالت یہ ہے کہ جس کام کی طرف توجہ کرتے ہیں اس پر ایسا گرتے ہیں کہ دوسرے کاموں کو برباد کردیتے ہیں پچھلے دنوں چندۂ بلقان کی ضرورت تھی اور مقام شکر ہے کہ مسلمانوں نے اس پر توجہ کی مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہوا کہ دوسرے ضروری کاموں سے توجہ کم ہوگئی چنانچہ مدارس کی آمدنی میں بہت کمی ہوگئی یہاں تک کہ بعض مدارس تو ٹوٹنے کے قریب ہوگئے۔

## ضرورت واہمیت مدارس

اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں جوش تو ہے ہوش نہیں ہے ہوش کے معنی یہ ہیں کہ وقتی ضرورت کے ساتھ دائمی ضرورتوں کا بھی لحاظ رہے صاحب اگر مدارس نہ رہے تو پھر بتلائے دینی ضرورتوں کا بتلانے والا آپ کو کہاں سے ملے گا، بس پھر تو وہ حالت ہوگی جیسے ایک صاحب بلقان کا چندہ تو کرتے پھرتے تھے مگر بے ٹکٹ ریل میں سفر کرتے تھے اسی طرح چندۂ بلقان میں بعض لوگوں نے بہت بے عنوانیاں کی ہیں جن کی تفصیل میں زیادہ نہیں کرنا چاہتا اگر مدارس نہ ہوئے تو بس ایسے ہی لوگ آپ کے مقتدا ہونگے اس لئے ضروری ہے کہ مدارس کی بقاء میں ہردم توجہ رکھی جائے اور وقتی ضرورتوں کی وجہ سے اس کام میں بے توجہی نہ کی جائے۔

## مستقل مزاجی اور حفاظت حدود کی ضرورت

افسوس غیر اقوام اس مسئلہ کو خوب سمجھتی ہیں یورپ کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے مشن اور اسکولوں کی امداد تو خاص رقموں سے کرتے ہیں اور وقتی ضرورتوں کے لئے یہ تدبیر کرتے ہیں کہ ہر شخص اپنے زائد اخراجات میں سے ایک خرچ کو بند کرکے

اس کی آمدنی چندہ میں دے دیتا ہے پھر یہ نہیں کہ ایک دفعہ دے کر بند کر دے بلکہ جب تک وہ ضرورت رہے گی برابر اس فضول مد کی آمدنی چندہ میں دیتے رہیں گے مگر ہماری یہ حالت ہے کہ جو کام ہے فوری جوش سے ہے دو چار مہینہ کے بعد جوش کم ہو گیا تو کچھ بھی نہیں اور اس جوش میں ایسے بے ہوش ہوتے ہیں کہ پہلے سے جن کاموں میں امداد کرتے تھے اس کو بند کر دیتے ہیں سو یاد رکھو اس طرح کوئی کام بھی پورا نہیں ہو سکتا ہر کام کیلئے استقلال کی وحفظ حدود کی ضرورت ہے (۱)

یہ مضمون وعظ کے اول میں تو ذہن میں تھا پھر وسط میں اسکا خیال نہ رہا اس لئے میں اس کی زیادہ تفصیل نہ کر سکا دوسرے اس وقت زیادہ مقصود زبان کے گناہوں پر تنبیہ کرنا تھی اس میں زیادہ وقت صرف ہو گیا۔

## خلاصہ وعظ

بس اب میں ختم کرتا ہوں اور خلاصہ بیان کا پھر اعادہ کرتا ہوں کہ زبان کے گناہوں سے بچنے کا طریقہ سوچنا اور پوچھنا ہے کہ جو بات کرو سوچ کر کرو اگر جواز وعدم جواز میں شبہ ہو تو اس کو کسی عالم سے پوچھ لو پھر جو وہ کہے اُس کے موافق عمل کرو۔

اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہمیں اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیں اور ہماری کوتاہیاں معاف فرمائیں۔ آمین (۲)

وصلی اللّٰہ علی سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ اجمعین

(۱) حفاظت حدود اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہے (۲) اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اپنی زبان کی حفاظت اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ محشی اور تمام ان لوگوں کی جنہوں نے وعظ کی ترتیب وتزین میں حصہ لیا مغفرت فرمائے اور اس وعظ کو ان کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۶/ جنوری ۲۰۱۱ء

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ایما پر قاری سراج احمدؒ کی قائم کردہ دین کی وہ عظیم درس گاہ ہے جو ۱۹۴۸ء سے مصروف خدمت ہے۔

اب یہاں الحمدللہ تجوید و قراءت کے ساتھ دورۂ حدیث تک وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب کے مطابق تعلیم ہو رہی ہے۔ ادارہ کے نصابِ تعلیم کو وفاق المدارس کے نصاب میں اس طرح مدغم کیا گیا ہے کہ طالب علم ثانویہ عامہ کے پہلے سال میں تجوید کی روایتِ حفصؒ مکمل کر لے۔ ثانویہ خاصہ کے سالِ دوم کے اختتام پر اس کی سبعہ قراءات مکمل ہو جائیں اور عالیہ کے دو (۲) سالوں میں عشرہ قراءات مکمل کر لے۔ اس کے بعد عالمیہ (دورۂ حدیث) کا نصاب مکمل کر کے ایک طرف مکمل عالم بنے تو ساتھ ہی عشرہ کا بہترین قاری بھی ہو اور اس کو جامعہ کی اُسنادِ قراءات کے ساتھ وفاق المدارس کی سندات بھی مل جائیں۔

طلباء کو نظام الاوقات کا پابند کیا گیا ہے جس میں ہر کام کے لئے وقت مقرر ہے۔ سونے، جاگنے، پڑھنے، کھانے، کھیلنے اور نماز کے اوقات متعین ہیں۔

طلباء کا داخلہ انٹرویو کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ششماہی اور سالانہ امتحانات تحریری لیے جاتے ہیں۔ جبکہ سالانہ امتحان وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیرِ انتظام ہوتا ہے۔ درس نظامی متوسطہ سے دورۂ حدیث تک حفظ و ناظرہ و تجوید و قراءات و عشرہ، عصری علوم کی ایف اے تک تعلیم اور تحقیق و تصنیف نیز انتظامی امُور کے لئے کل ایک سو تین (۱۰۵) افراد کا عملہ مصروفِ خدمت ہے۔

اس وقت تقریباً ۱۲۷۲ طلباء حفظِ قرآنِ مجید، تجوید و قراءات اور مکمل درسِ نظامی بشمول دورۂ حدیث شریف مع عصری علوم کی تکمیل و تعلیم میں مصروف ہیں اور ہر سال سینکڑوں طلباء حافظ، قاری اور عالم کی سندات حاصل کرتے ہیں۔

ان میں سے ۶۵۰ طلباء کے قیام و طعام، نقد وظائف، درسی کتب مہیا کرنے اور علاج معالجہ کی سہولت کی ذمہ داری دار العلوم پر ہے۔ الحمدللہ درس نظامی کے سالِ اوّل سے اوپر تک تمام درجات کے طلباء حافظ قرآن ہیں۔

جامعہ کی طرف سے ہر ماہ ماہنامہ ''الامداد'' کے ذریعہ دینی معلومات پر مشتمل حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ایک وعظ یا علماء دیوبند کا کوئی ایک کتابچہ شائع کر کے تقسیم کیا جاتا ہے۔

ادارہ اشرف التحقیق میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ اور ان کے ہمراہ چار ماہر علماء احکام القرآن کی تدوین کا کام مکمل کر چکے ہیں جس کی چھ (۶) جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے وصال کے بعد سے علماء ''جمیل الفتاویٰ'' اور بعض دوسرے تحقیقی مسائل کی تدوین و ترتیب میں مصروف ہیں۔

ہر درجہ میں نمازِ ظہر سے قبل اُمت مسلمہ کے لئے روزانہ دُعاؤں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔
جامعہ کا کوئی سفیر چندہ کے لئے نہیں۔ نہ جمعہ وعیدین یا جلسہ کے اجتماعات میں چندہ کی اپیل کی جاتی ہے اور نہ ہی چندہ کے لئے مدرسہ یا مسجد میں کوئی بکس رکھا گیا ہے۔ البتہ جو احباب مدرسہ کو ماہانہ عطیات دیتے ہیں ان سے وصولی کے لئے محصل مقرر ہے۔ حکومت کے کسی ادارہ سے کسی قسم کی مالی امداد نہیں لی جاتی۔ اگر آپ اپنا تعاون خود نہ پہنچا سکیں تو مدرسہ میں اطلاع کر دیں محصل جا کر لے آئے گا۔

اس وقت ماہانہ اخراجات تقریباً 23 لاکھ روپے سے زائد ہیں۔ یہ تمام مصارف محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمانوں کے زکوۃ وصدقات اور عام عطیات سے پورے ہوتے ہیں۔

آپ بھی اس عظیم صدقہ جاریہ میں نقد وجنس گندم، چاول وغیرہ کی صورت میں بھرپور حصہ لے کر اپنے والدین' اعزہ اور اولاد کے لئے ذخیرہ آخرت فراہم کیجئے۔

الحمد للہ دار العلوم تعلیمی، تحقیقی اور تبلیغی خدمات میں روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ اس وقت دار العلوم سات مختلف جگہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جگہ کی قلت کام میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ جس کے حل کے لئے شہری آبادی سے قریب تر بڑی جگہ کی تلاش جاری ہے۔ بڑی جگہ کے لئے بڑے وسائل کی بھی ضرورت یقینی ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں جامعہ دار العلوم سے محبت رکھنے والے حضرات جگہ کی نشاندہی اور وسائل کی فراہمی میں مقدور بھر حصہ لیں گے۔

**مجلس منتظمہ ومہتمم جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور**

مرکزی درسگاہ ۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور فون: 35422206-35422213

1. دار العلوم الاسلامیہ پرانی انارکلی چرچ روڈ لاہور۔ فون: 37353728
2. دار الفلاح عباس بلاک مصطفیٰ ٹاؤن لاہور۔ فون: 35410311
3. مدرسہ فاروق اعظم گلشن راوی لاہور
4. مسجد ابوبکر راوی بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
5. جامع مسجد رضا بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

**جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کے بینک اکاؤنٹ نمبر**

110-دی بینک آف پنجاب 26۔ مصطفیٰ ٹاؤن برانچ لاہور (برانچ کوڈ 0192)

0110-557-7 یو۔ بی۔ ایل ٹن روڈ برانچ لاہور (برانچ کوڈ 1007)

Designe & Compose:
Abdul Nasir Chitrali Idara Ashraf-ul-Tahqeeq